October 2023 اکتوبر

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد کا

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

www.shibliinternational.com

قیمت: -/20 روپے

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

اکتوبر 2023 Oct جلد: 6 Vol: شمارہ: 68 Issue:

ISSN: 2581-9216

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
ڈاکٹر نادر المسدوسی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی۔ ڈاکٹر نوری خاتون
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	تلمیذ شبلی: مولانا ابوالجلال ندوی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	**نعت رسول ﷺ**	رہبر پرتاب گڑھی	۱۲
۵	دینِ فطرت - اہم پیغام	مولوی حبیب الرحمٰن	۱۳
۶	**آہ! فلسطین**	نیاز جیراجپوری	۱۶
۷	انور آفاقی کی شخصیت اور تخلیق کا آئینہ: ''آئینہ در آئینہ''	ڈاکٹر احسان عالم	۱۷
۸	**قطعہ**	جہانگیر قیاس	۲۲
۹	طالب رزاقی کی شعری کائنات	ڈاکٹر محمد ناظم علی	۲۳
۱۰	**غزل**	سید نوید جعفری	۲۷
۱۱	**غزل**	رخشاں ہاشمی	۲۷
۱۲	نصاب برائے تعمیری تعلیم	ڈاکٹر درخشاں عندلیب خان	۲۸
۱۳	**غزل**	علی شاہد دلکش	۲۹
۱۴	**مسجد اقصی**	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی	۳۰
۱۵	**غزل**	عروسہ عرشی	۳۰
۱۶	چمکا تقدیر کا ستارہ	خیر النساء علیم	۳۱
۱۷	**نظم**	ظہور ظہیر آبادی	۳۲
۱۸	الحاج سید عارف اللہ بیابانی ولد ڈاکٹر سید اسماعیل بیابانی	سید عظمت اللہ بیابانی	۳۳
۱۹	دیواروں والا باغیچہ (۱)	پرواز احمد	۳۴
۲۰	**غزل**	ڈاکٹر فاروق شکیل	۳۸

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا** انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہ اکتوبر جب بھی آتا ہے تو ہمیں گاندھی جی کی وہ آفاقی فکر والی زندگی یاد آجاتی ہے جو انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے اختیار کی تھی۔ دنیا کو پرامن احتجاج، ہنسا سے پَرے ہوکر ظالموں کے سامنے ڈٹ جانے کا پیغام دیا ہے۔ اسی بنا پر ہر ہندوستانی کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ گاندھی جی کی ۲/اکتوبر یوم پیدائش کے موقع پر خراج عقیدت پیش کریں۔

مسئلہ فلسطین پورے عالم میں تقریباً ۷۵ سال سے موضوع بحث ہے، کیوں کہ ارضِ فلسطین ارضِ مقدس ہے جس میں انبیاء کا مسکن اور مدفن بھی ہے، اللہ رب العزت نے اس کے اطراف واکناف میں دنیاوی اور روحانی برکتیں پھیلا رکھی ہیں۔ اس بابرکت سرزمین کو جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی قوم یہودی ونصرانی اس کا لحاظ نہیں کر رہی ہے، اگر تاریخی پہلو سے جائزہ لیا جائے تو ماضی میں یہی یہودی قوم پر نوع بنوع عذاب الٰہی کا نزول ہوا اور ان پر ذلت ومسکنت کا طوق اللہ نے ڈال دیا ہے۔ یہودیوں کے ساتھ شانہ بشانہ رہتے ہوئے نصرانیوں نے جو فلسطین اور غزہ کے مسلمانوں پر اسپتالوں، اسکولوں، رہائشی علاقوں پر بمباری کر کے جو مظالم ڈھائے ہیں اس سے انسانیت شرمسار ہے۔ یہودیوں نے دنیاوی وسائل اسلحے، تجارت صنعت وحرفت اور میڈیا پر قبضہ کر کے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم جو چاہے کر سکتے ہیں اور اپنی مکارانہ اور شاطرانہ چالوں سے مسجد اقصیٰ اور فلسطین پر قابض ہو جائیں گے، یہ یہودیوں کا خواب ہے، انھیں یاد رکھنا چاہئے کہ مسجد اقصیٰ کا مسئلہ صرف عربوں کا نہیں ہے بلکہ یہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا ہے جس دن قوت ایمانی ہمارے حکمرانوں اور مسلمانوں میں جاگ گئی تو اس دن ملک اسرائیل صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا، بس مسلمانوں کو بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ فی زمانا جن مسلمانوں کے پاس طاقت ہے وہ قوت ایمانی سے اسرائیل کو صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ تو ظالم ہے اپنے آپ کو ظلم سے روک لے، جس دن ہمارے حکمراں اور انسانیت کا درد رکھنے والے انسان اٹھ کھڑے ہوئے اور عملی میدان میں اسرائیل ظالم کو روکنے کی کوشش کی تو یقیناً دنیا میں انقلاب آجائے گا۔ کیوں کہ مکاریوں اور عیاریوں سے کامیابی نہیں ملتی بلکہ حق اور حقانیت سے کامیابی ملتی ہے۔ موجودہ منظرنامے میں ہم مسلمانان ہند کے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم موجودہ حکومت کو باور کرائیں کہ ہمارے ملک کی قدیم اور حق پالیسی رہی ہے کہ وہ فلسطین کے حق میں کھڑی رہی، اسرائیل کے ساتھ ہمارے ملک کی سابقہ حکومتوں نے کسی طرح بھی نرم رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ ہر حکومت اپنے موقف پر اٹل رہی ہے۔

ہمارے ملک کے وزیر اعظم مودی جی نے جو اسرائیل کے ساتھ کھڑے رہنے کی بات کہی ہے نہایت ہی تکلیف دہ ہے، جس کی وجہ سے ہندوستانی مسلمان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو تکلیف ہوئی، ہمارے وزیر اعظم صاحب کو اپنے موقف میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے کیوں کہ ظالم کے ساتھ کھڑا رہنا بھی ظلم ہے۔

اسرائیل نے اپنی چالاکی اور محنت سے ایسی ایسی اشیاء جس کا تعلق خورد ونوش یا روزمرہ کے استعمال کی ہے ایجاد کر دیا اور اس کی اہمیت وافادیت کی اس قدر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ تشہیر کر دی ہے کہ جس کی وجہ سے اس کا استعمال ہر ملک میں ناگزیر ہو گیا اور اسرائیل اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور اسی دولت اور اسلحہ جات کے ذریعہ فلسطین کے مسلمانوں پر ظلم کر رہا ہے، اس وجہ سے ہم تمام مسلمانوں کی ملی اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے کہ اسرائیل کے تمام پروڈیکٹ کا بائیکاٹ کریں، نیز ہم مسلمانوں کو اس کا متبادل ڈھونڈنے کی بھی ضرورت ہے۔

آئندہ ماہ کے اواخر میں ہمارے ملک کی پانچ ریاستوں میں اسمبلی انتخابات ہیں انہیں میں تلنگانہ بھی شامل ہے، ادارہ تلنگانہ کے عوام سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ اپنے ووٹ کا استعمال ضرور اور صحیح جگہ پر کریں۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

مسلمانوں سے جو زکوٰۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت عام حکم تھا کہ: **تؤخذ من أغنياء هم وترد على فقرائهم.** ہر قبیلہ کے یا ہر شہر کے امراء سے لے کر وہیں کے غرباء میں تقسیم کردی جائے۔

صحابہؓ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔

مساوات کے بیان میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ وبلالؓ کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں ہے، ڈانٹا، آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ ''تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا'' یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی، وہ بیمار پڑی، اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مرجائے گی، آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ وہ مرجائے تو میں جنازہ کی نماز خود پڑھاؤں گا اس کے بعد دفن کی جائے اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا، اس کا جنازہ جب تیار ہو کر لایا گیا تو آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے، صحابہؓ اس وقت آپ ﷺ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھے اور رات کو ہی دفن کردیا، صبح کو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور صحابہؓ کو ساتھ لے کر دوبارہ اس کی قبر پر جاکر نمازِ جنازہ ادا کی۔

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافر وار حاضر خدمت ہوا، ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن، برہنہ پا، کھالیں بدن سے بندھی ہوئی، تلواریں گلوں میں پڑی ہوئی، ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ بے حد متاثر ہوئے، چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب میں آپ ﷺ اندر گئے، باہر آئے، پھر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد واعانت کے لیے آمادہ کیا۔

دشمنانِ جان سے عفو ودرگذر: جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو ودرگذر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے، جس شب کو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے، کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمد ﷺ کا سر قلم کردیا جائے، اس لیے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصر کیے کھڑا رہا، اگرچہ اس وقت دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ ﷺ میں ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور اس کی جان صرف آنحضرت ﷺ کے رحم وکرم پر موقوف تھی لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت ﷺ کے سر کی قیمت مقرر کی تھی اور اعلان کیا تھا کہ جو محمد ﷺ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے، جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار، ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے آپ ﷺ کے قریب پہنچے، آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھ کر اپنی نیتِ بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سندِ امان لکھ دی جائے، چنانچہ سندِ امان لکھ کر ان کو دی گئی، اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرفِ سوال بھی درمیان میں نہیں آیا۔ (سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم ص: ۲۹۶-۲۹۸)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔اعظم گڑھ

تلمیذ شبلی: مولانا ابوالجلال ندوی

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کے سابق رفیق مولانا ابوالجلال ندوی (۱۸۹۴-۱۹۸۴ء) ایک نابغہ روزگار عالم دین اور علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کے عزیز شاگرد تھے۔ان کا وطن ضلع اعظم گڑھ کا ایک موضع محی الدین پور تھا، جواب مئوضلع میں شامل ہے۔

مولانا ابوالجلال ندوی ۱۸۹۴ء میں اعظم گڑھ کے ایک تاریخی قصبہ چریاکوٹ جسے بعض اہل علم نے یونان سے تشبیہ دی ہے پیدا ہوئے، چریاکوٹ ان کا نانیہال تھا،ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت چریاکوٹ میں نانیہالی بزرگوں کے دامن شفقت میں ہوئی۔ ان کے نانا شیخ محمود عباسی علامہ عنایت رسول عباسی چریاکوٹی (۱۸۲۸-۱۹۰۲ء) کے والد قاضی علی اکبر عباسی کے ہم عصر تھے۔علامہ عنایت رسول چریاکوٹی نے ابوالجلال صاحب کی رسم بسم اللہ ادا کرائی۔علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کے استاد مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی (م:اکتوبر ۱۹۰۹ء) سے بھی انہوں نے تبرکاً پڑھا،علاوہ ازیں ان کے اساتذہ میں والدگرامی مولوی محمد ابراہیم صدیقی اور مولوی الیاس صاحب عباسی کے نام شامل ہیں۔

اس کے بعد مولانا ابوالجلال صاحب گورکھپور اپنے خالو پاس چلے گئے اور ایک اسکول میں انگریزی پڑھی، پھر وہاں سے دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنو گئے۔ان کی تمام تر تعلیم وتربیت یہیں ہوئی۔۱۹۱۴ء میں ندوہ سے روایتی تعلیم سے فراغت پائی۔

مولانا ابوالجلال ندوی نے اپنی محنت اور تگ ودو سے دنیا کئی زبانوں اردو، عربی، فارسی، عبرانی، ہندی اور سنسکرت میں دستگاہ حاصل کی۔وہ اسلامی علوم وفنون کے ساتھ وید، گیتا، اپنشد اور دوسری مذہبی کتابوں پر بھی دسترس رکھتے تھے۔

ان کی علمی زندگی کا آغاز درس وتدریس سے ہوا۔تکمیل کے بعد وہ شہر اعظم گڑھ کے ایک مکتب محلّہ باغ میر پیٹو میں تدریس کے فرائض انجام دئے۔اسی زمانہ میں جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴-۱۹۵۳) جو اپنے استاد علامہ شبلی کی جوہرشناس تھے ان کی نگاہ انتخاب مولانا ابوالجلال ندوی پر پڑی ۔چنانچہ ۱۹۲۳ء میں انہوں نے دارالمصنفین کا رفیق منتخب کیا۔ یہاں وہ کئی برس تک تحقیق وتصنیف میں مصروف رہے اور ماہنامہ معارف میں علمی وتحقیقی مضامین کے علاوہ اخبار علمیہ ،باب التقریظ والانتقاد اور مطبوعات جدیدہ پر نقد وتبصرے بھی لکھے اور اہل علم سے تحسین وستائش کے مستحق ٹھہرے۔۱۹۲۸ء میں وہ مدراس کے سیٹھ جمال کے جمالیہ کالج میں پرنسپل ہوکر چلے گئے۔ جہاں وہ ۱۶ربرس تک تنظیمی اور تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔اس کے بعد وہ جمالیہ کالج سے علاحدہ ہوکر یعقوب حسن کے ادارہ سے وابستہ ہوگئے۔اس کے بعد وہ دوبارہ دارالمصنفین آئے اور رفیق کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس دوسرے دور کا ان کا ایک بڑا عظیم الشان کارنامہ ''اعلام القرآن'' کی تحقیق وتصنیف ہے۔ان کا یہ تحقیقی منصوبہ اگرچہ

پایہ تکمیل کو نہیں پہونچ سکا تاہم اس کے جو حصے مضامین کی صورت میں معارف میں شائع ہوئے وہ بجائے خود ان کی بڑی عظیم الشان علمی خدمت ہے۔

کچھ دنوں بعد پھر انہوں نے مدراس کا رخ کیا اور وہاں سے بعض اخبار و رسائل جاری کئے۔ اس دفعہ ان کی سیاسی سرگرمیاں بھی بہت بڑھ گئیں۔ چونکہ وہ کانگریسی تھے اور کھدر استعمال کرتے تھے اور کانگریس کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اس لئے گرفتار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

مولانا ابوالجلال ندوی ندوہ کے ممتاز فرزند اور علوم اسلامیہ میں کامل دستگاہ رکھنے والے عالم و فاضل اور منجھے ہوئے اہل قلم تھے۔ علم لسانیات (فیلالوجی) اور علم الاشتقاق میں بھی وہ دسترس رکھتے تھے۔ سندھ کی تہذیب یا موہن جوداڑو کے آثار و باقیات، تہذیب و تمدن اور اس کی زبان کے وہ ایک بڑے پارکھ تھے۔ چونکہ وہ عبرانی زبان جانتے تھے اس لئے وادی سندھ سے دریافت ہونے والے سکوں، مہروں اور اس کے کتبوں کو پڑھ اور سمجھ لیتے تھے۔ ان کی یہ تحقیقات ماہنامہ ماہ نو کراچی اور بعض دوسرے رسائل میں شائع ہوئی ہیں، ان کی ان تحقیقات پر اس موضوع کے محققین نے توجہ کی۔ ان کی اس منفرد حیثیت اور کاوشوں پر بعض مقالات بھی سپرد قلم کئے گئے ہیں۔ حکیم محمد اسحٰق، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، پروفیسر خورشید نعمانی اور مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ان پر محققانہ مضامین لکھے ہیں۔ پروفیسر مشیر الحق شہید سابق وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی کے بھائی شاہ محی الحق فاروقی نے اپنی کتاب ''بیدار دل لوگ'' میں ان کا ذکر احترام سے کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی سوانح، شخصیت اور خدمات پر ان کے ایک لائق پوتے جناب احمد حاطب صدیقی کی کتاب ''مولانا ابوالجلال ندوی دیدہ و شنیدہ و خواندہ'' شائع ہوئی ہے۔ اس میں ان کے حالات و واقعات، چریاکوٹ اعظم گڑھ میں پیدائش، تعلیم و تربیت، علما و فضلاء سے استفادہ کی داستان آگئی ہے۔ طلب علم اور تحقیق و تدقیق اور ملازمت کے لئے ان کے اسفار، دارالمصنفین اعظم گڑھ کی دو دو بار رفاقت اور جمالیہ کالج مدراس کی پرنسپل شپ، مدراس میں اخبار و رسائل کا اجراء، اعلام القرآن کی تحقیق و تدوین اور اس سلسلہ مضامین کی اشاعت اور پھر اپنے نظریہ سیاسیات کے برعکس ہجرت اور پاکستان میں ان کے حالات اور خدمات وغیرہ کی تفصیلات قلم بند کی گئی ہیں۔ اس کتاب سے پہلی بار معلوم ہوا کہ مولانا ابوالجلال ندوی نہ صرف علامہ شبلی کے عزیز شاگردوں میں تھے بلکہ انہیں وہ اپنے خاندان کا لڑکا بتایا کرتے تھے۔ زیر نظر مقالہ میں مولانا ابوالجلال ندوی کی سرپرستی اور ندوہ میں تعلیم و تربیت کے حوالہ سے جو واقعات اور آراء و خیالات ملتے ہیں انہیں یکجا کیا گیا ہے۔

اسی کو تقریر کہتے ہیں

مولانا ابوالجلال ندوی صاحب فرماتے ہیں:

''میں (گورکھپور سے) ندوہ چلا گیا، مولانا فاروق چریا کوٹی سے ایک خط علامہ شبلی نعمانی کے نام لے لیا تھا، علامہ شبلی نعمانی، مولانا فاروق چریاکوٹی کے شاگرد تھے، بڑوں کی ہدایت تھی کہ بڑوں کی مجلس میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنا کرو، بہت سی باتیں سمجھ میں نہ آئیں گی، لیکن وہی باتیں بڑے ہوکر خود بخود سمجھ میں آنے لگتی ہیں، بتایا گیا تھا کہ علم کانوں کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، آنکھوں کے ذریعہ سے نہیں۔ علامہ شبلی کی

خدمت میں حاضر ہوتا تھا مگر وہ اکثر پہچانتے نہیں تھے۔ ہر مرتبہ پوچھتے تھے۔

تم کون ہو؟

اور کہتے تھے:

"اچھا تم مولانا کے لڑکے ہو۔" (لڑکے شاگرد کے معنی میں)

لڑکوں کا ایک جلسہ تھا اور میرا نام بھی مقرروں میں تھا، میں نے عرض کیا: "تیاری نہیں کی ہے۔"

علامہ شبلی نے فرمایا: "یہی بات یہاں کھڑے ہو کر کہو۔"

میں جب ان کے حکم کی تعمیل میں اٹھا تو انہوں نے پوچھا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ یہی بتاؤ۔

میں نے "تواریخ حبیب الہ" میں جو کچھ پڑھا تھا اس میں وفات کا واقعہ میرے دل پر نقش تھا، میں نے اپنی زبان میں وہی باتیں بیان کر دیں، اس کے بعد علامہ نے مجھ سے فرمایا:

"اسی کو تقریر کہتے ہیں۔"

ہمارے خاندان کا لڑکا

مولانا حسن مثنیٰ کے انٹرویو میں یہ واقعہ شامل ہے کہ "چریا کوٹ کے پاس ایک بازار ہے جس کو بڑہل کہتے ہیں، وہیں سے چیزیں خرید کر لاتے تھے، "بٹ دلیہ" پیسہ جو گورکھپوری پیسہ کہلاتا تھا، حکومت نے ناروا قرار دیدیا تھا، ایک عورت چار آنے کے پیسے لے کر بنئے کے پاس آئی تو بنئے نے (لینے سے) انکار کر دیا، میں نے چونی دے کر وہ پیسے لے لئے، ان میں سے چار پیسوں پر کچھ نقوش تھے، اب یاد نہیں کہ وہ کیا تھے، ایک پیسے پر لفظ "طان" پڑھا جاتا تھا، اس زمانے میں مسٹن صاحب گورنر تھے، اور دارالعلوم ندوہ گولہ گنج سے منتقل ہو کر گومتی کے کنارے آ گیا تھا، مسٹن صاحب دارالعلوم دیکھنے آئے، تعطیل کا دن تھا، حکم ملا کہ سب لڑکے اپنے اپنے کمروں میں رہیں گے، گورنر صاحب گھوم کر کمروں کو دیکھیں گے، گورنر صاحب میرے کمرے میں داخل ہوئے تو میں چاروں پیسے میز پر رکھے ان کو گھور رہا تھا، علامہ شبلی اور مسٹن صاحب میرے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے تو میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا، مسٹن صاحب نے پوچھا:

"یہ کیا ہے۔"

میں نے پیسوں کا قصہ بتا دیا، مسٹن صاحب نے پوچھا:

"ان کو بیچو گے۔"

علامہ شبلی نے چپکے سے اشارہ کیا اور میں نے کہا

"نہیں۔"

مسٹن صاحب نے پوچھا "تحفہ دو گے۔"

میں نے پھر علامہ کی طرف دیکھا اور کہا "حاضر ہیں۔"

اس پر گورنر صاحب نے ایک سادرین انعام میں دینا چاہا، میں نے علامہ کی طرف دیکھا اور ہاتھ نہیں بڑھایا، خود علامہ نے ہاتھ بڑھا کر لے لیا، بعد میں علامہ نے حسب عادت مجھ سے پوچھا:

"تم کون ہو۔"

میں نے بتایا:

"مولانا فاروق کا لڑکا"

مولانا نے جوش میں کہا:

"اچھا ہمارے خاندان کا لڑکا"۔

یہ سب سے بڑا شرف تھا جسے میں کبھی نہیں بھول سکتا اور یہیں سے مجھے حروف و نقوش کے مطالعے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔(۱)

روپے عزت بچانے کے لئے

مولانا ابوالجلال ندوی فرماتے ہیں:

''دوسرا واقعہ علامہ شبلی کے ساتھ ایک اور ہوا، ہم لڑکوں نے آپس میں یہ طے کر رکھا تھا کہ ہم میں سے جس لڑکے کے پاس دس روپے سے زیادہ کا خرچ آتا ہے اس سے ایک روپیہ جزیہ لیا جائے گا، جزئے کی وصولی کا طریقہ یہ تھا کہ دینے والا ہمیشہ انکار کرتا تھا اور ہم میں سے کوئی ایک اس لڑکے کو چیلنج کرتا تھا کہ ہم حاصل کرلیں گے، یہ شخص اگر روپیہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوتا تو وہ روپیہ اس کو اپنی طرف سے پیش کرنا پڑتا تھا، میں اس زمانے میں مرزا سمیع اللہ بیگ (مرزا یار جنگ، چیف جسٹس حیدرآباد دکن) کے لڑکوں کو پڑھاتا تھا اور وہ دس روپیہ ماہوار دیا کرتے تھے، اس لئے میں اس قابل تھا کہ جزیہ وصول کرنے کا دعویٰ کروں۔

بہار کے ایک دوست اسحٰق تھے اور بھوپال کے ایک دوست اشفاق، دونوں وہاں پڑھتے تھے، اشفاق صاحب نے اسحٰق صاحب کی تعریف یا مذمت میں ایک قصیدہ لکھا تھا، جس کا ایک شعر مجھے اب تک یاد ہے:

اسحق اول طالب علم تزھو بہ

دار العلوم الندوۃ العلماء

اسحٰق کے پاس روپے ان کے گھر سے آئے تھے، پانچ روپے کا ان پر جزیہ عائد ہوا، میں نے دعویٰ وصولی کیا، ناکام ہونے کی صورت میں مجھ کو دس روپے ادا کرنے تھے، اس لئے سب احباب اس فکر میں رہتے تھے کہ میں روپیہ نکال نہ سکوں، سب احباب اسحٰق کے حامی تھے۔ بہار ہی کے ایک صاحب اور تھے، انہوں نے غلطی یہ کی کہ روپے نکال لئے، ان کو نکالنا نہیں چاہئے تھا، کیوں کہ ان سے کوئی ہوشیار نہیں رہتا تھا، مجھ سے پوچھا گیا تو میں نے انکار کردیا، اسحٰق صاحب نے مفتی شبلی فقیہ (۲) سے شکایت کردی، ان صاحب نے تسلیم کرلیا کہ روپے میں نے نکالے ہیں، مفتی شبلی فقیہ نے مجھے حکم دیا کہ پچاس روپے واپس کرو۔

میں نے اس واقعہ کا تذکرہ مرزا سمیع اللہ بیگ سے کیا اور کہا کہ مجھے پانچ مہینوں کا مشاہرہ پیشگی عنایت فرمادیجئے، مرزا صاحب نے مجھ سے تو صرف یہ کہا کہ اچھا جاؤ، مگر دوسرے دن علامہ شبلی نعمانی پچاس روپے لئے میرے کمرے میں آئے، مرزا صاحب نے خط میں یہ لکھا تھا کہ میں نے پچاس روپے خود ابوالجلال کو اس وجہ سے نہیں دئے کہ اس پر چوری کا الزام عائد ہوگا، علامہ شبلی نے مجھ کو پچاس روپے نہیں دئے۔ یہ فرمایا کہ ''روپیہ لینے کا حق تم کو حاصل نہیں، یہ روپے تمہاری عزت بچانے کے لئے آئے ہیں۔''

اس کے بعد مولود شریف ہوا، پانچ روپے اسحٰق صاحب سے لئے گئے اور پانچ روپے ان صاحب سے جنہوں نے روپے نکالے تھے، اس وقت بھی علامہ شبلی نے کہا یہ لڑکا ہمارے خاندان کا ہے۔ بہاری صاحب تین دن تک اپنی اس غلطی پر روتے رہے۔''(۳)

عظمت شبلی وسلیمان

مولانا ابوالجلال ندوی نے ایک موقع پر علامہ شبلی اور ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی کے بارے میں کہا کہ ''سید صاحب نے ہماری موجودگی میں کام کیا اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سید صاحب علامہ شبلی سے بڑے عالم تھے اور کیا دماغ تھا! ان کے دماغ کے الگ الگ

خانے تھے، ہر خانے میں وہ ایک الگ بات محفوظ رکھتے تھے، سید سلیمان ندوی کی کتاب میرے نزدیک زیادہ محققانہ ہے علامہ شبلی کی کتاب سے۔لیکن ایک بات کا فرق ہے، مولانا شبلی کو سیرت کے واقعات اور حوالہ جات کی تلاش میں مختلف ممالک میں گھومنا پڑا، کتابیں اس وقت میسر نہیں تھیں، جبکہ سید صاحب کے زمانے میں دارالمصنفین میں وہ سب کتابیں موجود تھیں جن کی ضرورت تھی، سید صاحب کا علم اس لئے وسیع ہوا کہ علمی سرمایہ ان کے پاس بہت تھا، جبکہ شبلی نے شام، مصر اور نہ جانے کہاں کہاں جا کر یہ سارا علمی سرمایہ ئ جمع کیا، ان کو جگہ جگہ سے اقتباسات لینے پڑے۔ مولانا شبلی کی عظمت یہ ہے کہ انہوں نے وہ چیز لکھی جو ہندوستان میں بیٹھ کر نہیں لکھی جاسکتی تھی اور اب ان کے [سید صاحب] زمانے میں بیشتر کتابیں یورپ سے چھپ چکی تھیں، یورپ نے ان کو چھاپ دیا تھا، یورپ کا ہم پر بہت احسان ہے۔اس نے بہت سی ایسی کتابیں ہم کو دیں جو ہمارے پاس نہیں تھیں۔صرف ایک بخاری ہے جس کو سب سے پہلے ہندوستان سے شائع کیا گیا اور یہ ہندوستان سے دنیا بھر کو ملی، بقیہ ساری کتابیں یورپ نے ہم کو دیں، یورپ کے بعد مصر وغیرہ سے شائع ہوئیں۔''(۴)

شبلی نے غالب سے شعر چھین لیا!

احمد حاطب صدیقی نے لکھا ہے کہ ایک روز بڑے ابا (مولانا ابوالجلال ندوی) نے علامہ شبلی نعمانی کی ایک نظم سنائی جو جنگ عظیم اول کے پس منظر میں کہی گئی تھی۔یہ نظم اس تبصرے کے ساتھ سنائی کہ

''مولانا شبلی نے غالب کا ایک شعر گویا غالب سے چھین لیا ہے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے شبلی کی یہ نظم پڑھی۔(یہ نظم ہم نے صرف بڑے ابا سے سنی، سمعی ہے۔)

اک جرمنی نے مجھ سے کہا از رہ غرور
آساں نہیں ہے فتح تو دشوار بھی نہیں
انگلینڈ کی فوج ہے دس لاکھ سے بھی کم
اور لطف اس پہ یہ ہے کہ تیار بھی نہیں
باقی رہا فرانس تو وہ رند لم یزل
آئیں شناس شیوۂ پیکار بھی نہیں
میں نے کہا غلط ہے ترا دعوی غرور
دیوانہ تو نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
ہم اہل ہند جرمنی سے بھی ہیں دس گنا
تجھ کو تمیز اندک و بسیار بھی نہیں
سنتا رہا وہ غور سے میرا کلام اور
کہنے لگا جو لائق اظہار بھی نہیں
اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں (۵)

یہ نظم کلیات شبلی اردو میں شامل ہے۔

ابوالکلام نہیں ابوالجلال ہی بنے رہو

مولانا ابوالجلال ندوی فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ مضامین کا مقابلہ ہو رہا تھا، مولانا شبلی نعمانی بذات خود فیصلہ کے لئے تشریف فرما تھے، میں نے سورۂ انشراح کی تفسیر ان کے انداز میں پڑھ کر سنائی، امید تھی کہ آج مولانا شبلی سے داد لے لوں گا، مگر ہوا کیا؟ تقریر اوروں کی سننے کے بعد مجھے بلایا اور پوچھا:

''تم نے جو کہا اس کا مطلب بتاؤ۔''

رہبر پرتاب گڑھی۔ اُترپردیش

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حُبِّ نبیؐ میں اپنے کچھ آنسو گرا کے دیکھ
تو اس طرح خود اپنی بھی قسمت جگا کے دیکھ

دنیا کی چاہتوں میں یہ دل ہی اجڑ گیا
عشقِ رسولؐ میں ذرا اس کو لگا کے دیکھ

سیرت کو کملیؐ والے کی رکھ اپنے سامنے
اپنے تصورات میں طیبہ بسا کے دیکھ

ڈر دل سے فقر وفاقہ کا پہلے ذرا مٹا
پھر اپنی زندگانی کو جنت بنا کے دیکھ

ہوجائیں گے یہ دل سے سبھی دور رنج وغم
رہبر! تو اپنی خود کو ہی نعتیں سنا کے دیکھ

اب میں نے اس بولی میں جس میں اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنے چچا سے باتیں کرتا تھا، تقریر سنائی تو مولانا نے کہا:

”ٹھیک بولے لیکن تم ابوالکلام نہیں بن سکتے۔ ابوالجلال ہی بنے رہنے کی کوشش کرو۔“(۶)

الفاروق نے شبلی کو شبلی بنادیا!

مولانا ابوالجلال ندوی نے ایک بار فرمایا کہ ”ایک روز ایک طالب علم کے ساتھ علی گڑھ کالج کی زیارت کو گیا، اس لئے کہ مولانا شبلی نعمانی کو سرسید نے شبلی بنایا۔ ورنہ وہ وہابیوں کے خلاف حنفی مناظر بن کر رہ جاتے۔ سرسید نے ان کے وسعت علم اور عمق اور ذہانت کا انداز پا کر ان کو کالج میں روک لیا۔ اپنے کتب خانے کی کنجی ان کو دیدی۔ اور ان سے ”الفاروق“ تصنیف کرائی۔

اسی الفاروق نے شبلی کو شبلی بنادیا۔“(۷)

حوالے

(۱) مولانا ابوالجلال ندوی دیدہ وشنیدہ وخواندہ، ص۳۳-۳۴

(۲) مولانا شبلی فقیہ (۱۸۷۲-۱۹۴۵ء) موضع جیراج پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے ایک ممتاز عالم وفقیہ تھے۔ فرنگی محل لکھنو اور مدرسہ عالیہ رام پور سے تحصیل وتکمیل کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں استاد مقرر ہوئے۔ علامہ شبلی مدرسہ چشمہ رحمت میں ان کے انداز تدریس کو دیکھا تو اس سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ انہیں ندوہ کے لئے آمادہ کر کے ساتھ لائے۔ یہ غالباً ۱۹۰۶ء کی بات ہے۔ پھر انہوں نے کسی اور جانب نظر اٹھا کر نہیں دیکھا اور مسلسل چالیس برس تک ندوۃ العلماء کی خدمت میں منہمک رہے۔

وہ نہایت خلیق، متواضع اور خوش مزاج انسان تھے۔ علم وعمل، زہد وورع وتقوی، نیکی وشرافت اور سادگی وشائستگی کے تو پتلے تھے۔ عقائد وعبادات کے علاوہ اخلاق ومعاملات اور معاشرت میں سنن ومستحبات کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ نامور ادیب وانشاپرداز مولانا عبدالسلام ندوی ان کے خاص احباب میں تھے اور جب وہ لکھنو تشریف لاتے تو ان کا بڑا اکرام کرتے تھے اور ان کی دعوت کا اہتمام کرتے۔

(۳) مولانا ابوالجلال ندوی دیدہ وشنیدہ وخواندہ، ص۳۴-۳۵

(۴) ایضاً ص۶۰

(۵) ایضاً ص۱۱۱-۱۱۲

(۶) ایضاً ص۱۳۴-۱۳۵

(۷) ایضاً ص۱۳۸

مولوی حبیب الرحمن۔حیدرآباد

دینِ فطرت

نعمائے جنّت وعقوباتِ نار مثالی نہیں

اس طرح عالمِ آخرت' ارتقاء انسانی کی آخری منزل ہے انسان سے دکھ یا سکھ کبھی جدا نہیں ہوسکتا۔ اس ارتقائی منزل میں سکھ بھی درجۂ کمال پر ہوگا اور دکھ بھی درجۂ کمال پر۔ دکھ' عذابِ نار کی وہی صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں جن سے انسان فطرتاً فراری ہے اور جنت کی راحتیں اور نعمتیں بھی وہی گنائی گئی ہیں، انسان جن کا فطرتاً طالب ہے۔ ان میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو سمجھ میں نہیں آسکتی یا فطرت کے خلاف ہو' ان کو من وعن تسلیم نہ کر کے ان کی تاویل کرنا' بطور مثال سمجھنا' سمجھ کا قصور ہے۔ اسی طرح عالمِ آخرت کو روحانی عالم کہنا بھی کج فہمی کی علامت ہے۔ روحانی عالم' ایک ایسا نام ہے جس سے انسان کی بود وباش کا کوئی متعین نقشہ سامنے نہیں آتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ آخرت کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس کو پڑھنے سے انسانی زندگی' پُرمسرت زندگی اور درد واذیت کی زندگی کا پورا پورا نقشہ پیشِ نظر ہوجاتا ہے اور دل میں ابدی پُرمسرت زندگی کی آرزو اور درد واذیت کی زندگی کا خوف دونوں پیدا ہوجاتے ہیں۔ دل اندر سے بے اختیار پکار اٹھتا ہے "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا" (سورہ النساء: 87، 122) ترجمہ: (اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچ اور واقعی ہوسکتی ہے۔) انسان کی زندگی کے یہی دو رخ' اول و آخر' (دنیا وآخرت)' انسان کے سامنے رکھے گئے اور اس کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ اپنے اعمال کا بدلہ اس چند روزہ دنیا ہی میں چاہتا ہے اور اسی عارضی زندگی کے بناؤ سنگار اور اس کے اسباب عیش وراحت کو مطلوب ومقصود قرار دیتا ہے تو اس کو اسی عالم میں اس کے نیک اعمال کا بدلہ دے دیا جائے گا۔ "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ . اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ" (سورہ ہود:15) ترجمہ: (جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو مقصود بنالیتا ہے اس کی (نیکیوں) کا بدلہ ہم اسی دنیا میں پورا پورا دیتے ہیں ان کے لئے اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی (مگر) ان لوگوں کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔) "وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (سورہ ہود: 16) ترجمہ: (اور دنیا میں وہ جو کچھ کئے تھے آخرت میں ناکارہ اور باطل ثابت ہوگا۔) یعنی دنیا ہی میں ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ شہرت' فراخیٔ عیش' مال واولاد کی کثرت' جاہ وحشم کی صورت میں عطا کردیا جاتا ہے مگر یہ یاد رکھیں کہ ان کی آخرت کی ابدی زندگی درد واذیت' سوز وتپش کی ہوگی، کرۂ ناران کا ٹھکانا ہوگا۔

خالقِ فطرت وفطرت کو سمجھنے اور نہ سمجھنے، انسانیت کا مذہب' دینِ حق اختیار کرنے اور نہ کرنے کے یہ قدرتی اور ابدی نتیجہ ہیں اور ایسے ہی اٹل ہیں جیسے پانی میں پیاس بجھانے کی اور آگ میں جلانے کی خاصیّت ہے۔ یہ خاصیّت اللہ ہی نے پیدا کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بدل نہیں

سکتا۔ اسی طرح دینِ حق کو قبول یا رد کرنے کے جو نتیجہ ہیں خواہ عارضی ہوں یا ابدی ان کو بدلنے کا اختیار بھی کسی مخلوق کو نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ جل شانہٗ نے دینِ حق کو دینِ واصب فرمایا ہے "وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا" (سورہ النحل:52) ترجمہ: (آسمان وزمین کی سب چیزیں اسی کی مطیع ہیں اور لازمی طور پر اطاعت اسی کا حق ہے۔) مطلب یہ ہے کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں جو انسان کے سلسلۂ حیات جاری رکھنے کے لئے باذنِ الٰہی اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔ ان کے افعال وآثار وخواص اور ان میں سے ہر ایک کے ظہور کا وقت جو اللہ جل شانہٗ نے مقرر کر دیا ہے وہ اتنا لازمی واٹل ہے کہ بجز اسی کے کوئی ان کو نہ آگے پیچھے کر سکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے۔ انسان بھی اللہ ہی کا مملوک وبندہ ہے اس لئے اس کو بھی اپنی فلاح وخیر کے لئے اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے ضابطۂ حیات کی پابندی ضروری ہے ورنہ خلاف ورزی پر اس کو عارضی وابدی نتیجے بھگتنے پڑیں گے۔ "وَاصِبًا" کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اس دین کے تعزیری قوانین کو نفس کی خباثت وشرارت دور کرنے میں وہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے قانون سے خباثت وشرارت دور نہیں ہو سکتی۔ نیز فطری جذبات کی تربیت کے لئے "دینِ حق" مزاجِ انسانی سے بالکل مطابق ہے، جس کی کماحقہٗ اتباع کے بغیر انسان اوصافِ انسانیت سے متصف نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے سوا کسی اور طریقۂ تعلیم وتربیت کو مزاجِ انسانی قبول کر سکتا ہے۔ دینِ حق کی پیروی کے بغیر نہ انسان کی اصلاح ہوگی اور نہ اس کے نفس کا تزکیہ اور نہ وہ تزکیۂ نفس کی ابدی جزاء پا سکے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا۔ "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" (سورہ ال عمران:85) ترجمہ: (جو شخص خدا کی فرمانبرداری کے سوا کسی اور طریقۂ زندگی کو اختیار کرے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ بلحاظ آخرت نقصان میں رہے گا۔)

دینِ اسلام کے معنی

دینِ اسلام کے معنی ہیں انسان کا وہ طریقۂ زندگی جس میں اللہ تعالیٰ کے حسبِ ہدایت، از سرتا پا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی ہے اور یہ اطاعت و بندگی ہر شعبۂ زندگی میں پورے انسانی تعلقات میں ہے، چاہے وہ تعلقات گھریلو زندگی کے ہوں، چاہے اجتماعی زندگی کے، چاہے وہ تعلقات راعی ورعیّت کے ہوں یا ایک رعیّت سے دوسری رعیّت کے، باہمی تعلقات ہوں۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی میں اپنی زندگی بسر نہ کرے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم وہدایت کی پابندی کر کے اپنی زندگی کو پاکیزہ نہ بنائے تو ابدی زندگی کا (نقصان) خسران یقینی ہے۔ یعنی سوز وتپش اس کا اخری ٹھکانہ ہے۔ خسرانِ آخرت کا یہی مطلب ہے "قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ" (سورہ الزمر:15، 16) ترجمہ: (کہہ دیجئے کہ پورے گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جو معہ متعلقین قیامت کے روز گھاٹے میں رہے یاد رکھو یہی صریح نقصان ہے، ان کے لئے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے۔) "وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط" (سورہ المائدہ:3) ترجمہ: (یہی وہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا طریقۂ زندگی وبندگی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔) اپنے خود ساختہ

طریقوں سے خدا کی بندگی کر کے یہ سمجھنا کہ خدا ان سب سے راضی ہے، نری جہالت کی باتیں ہیں۔

زندگی کا نصب العین (مقصدِ حیات)

انسانی زندگی کا انجام، عالمِ آخرت ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اسی یقینی و واقعی ابدی زندگی پر بہت زیادہ توجہ دلائی ہے۔ انسانی زندگی کا یہی قرآنی نصب العین، مقصودِ حیات ہے۔ اس پر یقین کئے بغیر انسان نہ بندۂ حق ہوسکتا ہے، نہ بندگی کے مقام پر فائز ہوسکتا ہے۔ بندگی رب جس کا نام قرآنِ مجید میں صراطِ مستقیم، سیدھی راہ ہے اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ایک منزلِ مقصود ہے جس کو پانے کی یہی سیدھی راہ "بندگی رب" ہے۔ قرآن مجید کو غور و تدبر سے پڑھنے کی جو یہ ہدایت ہے "کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ" (سورہ ص:29) ترجمہ: (کتاب کو آپؐ کی طرف ہم نے نازل کیا جو برکت والی ہے تاکہ سمجھدار اس کی آیتوں میں غور کریں اور اس سے نصیحت حاصل کریں۔) حیاتِ بعد الموت کو سمجھنے اور "الجنۃ" ہی کو منزلِ مقصود بنانے کے لئے ہے۔ قرآن مجید غور سے پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام خود بھی ابدی زندگی کو ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے اور لوگوں کو بھی اسی طرف راغب کرتے تھے۔ اخروی زندگی کے ضرر سے خود بھی ڈرتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہی ڈر بٹھاتے تھے۔

آخرت کا نقصان' ابدی نقصان کا خوف ہی دراصل خدا کا خوف ہے، خوفِ آخرت اور خوفِ الٰہی کو جدا جدا سمجھنا کج فہمی ہے۔ حق تعالیٰ عذابِ آخرت ہی کے تعلق سے اپنا خوف بٹھاتے ہیں کیونکہ عذابِ اخروی ہی غضبِ الٰہی کی صورت ہے۔ "يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ط يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ" (سورہ الزمر:16) ترجمہ: (یہ وہ انجام ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں (تو) اے میرے بندو مجھ ہی سے ڈرو (یعنی) میرے غضب سے بچو۔) غرض اخروی زندگی کے یہ دو عالم "الجنۃ" و"الجحیم" انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا بنیادی جزو ہیں مگر انسان اس دنیا کی زندگی میں ایسا منہمک ہوا کہ انجامِ آخرت کو بھلا بیٹھا گویا وہ کوئی پیش آنے والی حقیقت ہی نہیں ہے۔ آج سے 900 (نوسو) برس پہلے مفکرِ اسلام' امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جب امت کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کو امت میں آخرت ہی کی تعلیم کا فقدان نظر آتا ہے۔ "فاما علم طریق الاخرة مادرج علیه اللّلف الصّالح مما سماه الله سبحانه فی کتابه فقهاً وحکمة وعلمًا وضیاء ونوراً وهدایة ورشداً فقدا صبح من بین الخلق مطویا وصار نسیًا منسیًا" ترجمہ: (طریق آخرت کا علم جس پر سلف صالح گزرے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فقہ' حکمت' علم' روشنی' نور' ہدایت اور راہ یابی نام رکھا ہے وہ مخلوق سے اٹھالیا گیا ہے اور بالکل بھولی بسری بات ہوچکی ہے۔) حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: "و اگر از علماء آخرت پیدا شود چہ سعادت کہ صحبتِ او کبریت احمر است" مطلب: (آخرت کی طرف بلانے والے کی صحبت کبریتِ احمر ہے) واقعہ یہ ہے کہ انسانوں نے جب کبھی اپنے خالق و رب سے روگردانی کی، اس کا ایک اہم سبب یہی تھا کہ انہوں نے اپنی فطری حیثیت بندگی کو بھلا دیا اور اس کے بعد انسانی حیات کا انجامِ آخرت "نسیًا منسیًا" ہوگیا یا اخروی زندگی کے متعلق غلط تصورات ان میں جاری وساری ہوگئے۔ (ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص:۷۳-۷۸)

اہم پیغام

ترجمہ وتشریح: **مولوی حبیب الرحمن حیدرآباد**

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (الاعراف:۱۶۷)

ترجمہ: اور جب (اے نبیؐ) تمہارے رب نے اعلان کردیا کہ البتہ ان (یہود) پر قیامت کے دن پر (ایسوں کو) مسلّط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب سے تکلیف دیتے رہیں گے، یقیناً تمہارا رب جلد عذاب دینے والا اور بے شک بخشنے والا ہے۔

تشریح: ھُمْ کی ضمیر سے بنی اسرائیل مُراد ہیں کیوں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ان کے پاس الٰہی ونبوی تعلیم اپنی اصلی حالت میں موجود تھی جس پر خود عمل کرنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرنے کے بجائے خود نافرمانیاں کرتے جارہے تھے، ایسا کرنے والوں ہی کے متعلق اس آیت میں اللہ نے اپنا قانون بیان فرمایا ہے، اس کے اٹل ہونے کے ثبوت میں بنی اسرائیل کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس قدر صاف قانونِ الٰہی کے باوجود آج مسلمان قرآن جیسی محفوظ کتاب سنّت رسولؐ اور سبیل المؤمنینؓ کی صحیح تعلیمات کو رکھتے ہوئے صدیوں سے ان کے خلاف زندگی بسر کرنے کی وجہ ہی سے پوری دنیا میں غیر مسلموں کے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں اور دن بدن بنتے ہی جارہے ہیں۔ موجودہ حالات سے نجات پانے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کی جائے اور مغفرت کی دعا کرتے ہوئے اپنے عقائد واعمال کی اصلاح، کتاب وسنّت رسولؐ اور سبیل المؤمنین کی روشنی میں کی جائے اور دوسروں تک پیغامِ الٰہی پہنچانے کی بھی کوشش کی جائے، تب ہی اس وعیدِ الٰہی سے ہم مسلمان بھی نجات پاکر امن وسلامتی پاسکتے ہیں۔

نیاز جیراجپوری

آہ! فلسطین

کی ہے وہ شیطانی دہشت گرد اِسرائیل نے
باعثِ تشویش ہیں حالات فلسطین کے
ظُلم و اِستحصال وقتل و خوں کے منظر ہر طرف
موت رقصاں ہے غزہ کی سرزمیں پر ہر طرف
روشنی مغلوب اور غالب اندھیرے ہیں یہاں
ہر طرف اِنسانیت کے اُجڑے ڈیرے ہیں یہاں
لگتا ہے کہ سارا فلسطین مقتل ہو گیا
زعم میں اپنے یہ اِسرائیل پاگل ہو گیا
روز و شب اِنسانیت کا ہوتا قتلِ عام ہے
سِلسِلہ حیوانیت کا جاری صُبح و شام ہے
گودیں سُونی ہو گئیں ماؤں کی فلسطین میں
گُونجتی ہیں آہیں بیواؤں کی فلسطین میں
ذہن و دِل کو یہ جنازے بچّوں کے تڑپا گئے
آہ! یہ ننھے چراغ آندھی کی زد میں آگئے
ڈبلیو ایچ او، یُو این او نے بھی ہے اوڑھی خامشی
دال میں کالا کے مترادف ہے ایسی خامشی
پیرہن سکھ شانتی کے ہو رہے ہیں تار تار
گُونگے بہرے ہو گئے امن و اماں کے ٹھیکیدار
ذہن و دِل ماؤف رہتے ہیں غزہ کے ذِکر سے
خون کے آنسو ہیں جاری چشمِ غور و فِکر سے
جو سُنی ہے بات وہ تو سچّی ہے جھوٹی نہیں
اے خدا! آواز تیری لاٹھی میں ہوتی نہیں
کُفر ہے مایوسی اے اللہ! تیری ذات سے
ذہن و دِل کو چین سا آجاتا ہے اِس بات سے
روک لے ظُلم و سِتم کی آندھیوں کو اے خُدا
نیست اور نابود کر دے وحشیوں کو اے خُدا
آندھی یہ ظُلم و سِتم کی گر نہیں رُک پائے گی
اے خُدا! دُنیا یہ تیری کیا سے کیا ہو جائے گی
حملہ آور ہو رہے اِسرائیلی یہ گھن بہت
ختم کرنے کے لیے اِن کو ہے تیرا کُن بہت
بھیج کر پھر سے ابابیلوں کا لشکر اے خُدا
اپنے اِن مظلوم بندوں کی مدد کر اے خُدا

ڈاکٹر احسان عالم۔ پرنسپل الحراء پبلک اسکول، دربھنگہ

انور آفاقی کی شخصیت اور تخلیق کا آئینہ: ''آئینہ در آئینہ''

محمد امام الہدیٰ انور اپنے قلمی نام انور آفاقی سے جانے جاتے ہیں۔ موصوف کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ وہ کتابیں ''لمسوں کی خوشبو'' (شعری مجموعہ)، ''دیرینہ خواب کی تعبیر'' (سفر نامہ کشمیر)، ''پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی سے گفتگو'' (انٹرویو)، ''نئی راہ نئی روشنی'' (افسانوی مجموعہ)، ''دوبدو'' (ادبی مکالمہ)، ''میزان فکر وفن'' (مضامین) ہیں۔ ساری کتابوں نے قارئین سے اچھی خاصی پذیرائی حاصل کی ہیں۔ انور آفاقی کی شخصیت میں جتنی دلپذیری ہے اتنی ہی ان کی تخلیق میں سائستگی اور شگفتگی ہے۔ موصوف کی اخلاق مندی، دل میں جگہ بنالینے والی مسکراہٹ اور عمدہ تخلیق کی وجہ سے بہت سے ناقدین ادب نے ان کی مختلف تخلیقات پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ ''انور آفاقی: آئینہ در آئینہ'' انہیں تاثرات اور مضامین کا مجموعہ ہے۔

زیر مطالعہ کتاب ''انور آفاقی: آئینہ در آئینہ'' کو ان کی بیٹی ڈاکٹر عفاف امام نوری نے ترتیب دیا ہے۔ کتاب دربھنگہ ٹائمز پبلکیشنز سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب کی طباعت، بائنڈنگ اور اس میں شامل تصاویر بہت دیدہ زیب ہے۔ کتاب کی مرتبہ ڈاکٹر عفاف امام نوری نے اپنے عرض مرتب کے طور پر تفصیل بیان کی ہے جس سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

''ابو ایک دن کسی ادبی کام میں مشغول تھے۔ میں نے مشغولیت کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے، ایک آنے والی کتاب کی تیاری کرنی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میں کچھ مدد کرسکتی ہوں۔ تو انہوں نے مجھے غور سے دیکھا۔ کچھ سوچنے لگے اور کہا کہ میری آنے والی کتاب کو کوئی اور نہیں اب تم ہی ترتیب دوگی۔ اور اس کی ذمہ داری میں تم کو آج ہی سونپتا ہوں۔ اس کی تیاری میں جو بھی مدد کی ضرورت محسوس کرو مجھ سے لے سکتی ہو۔ اس دن سے میں ان کی مطبوعہ کتابوں پر لکھے گئے مضامین کو پڑھنے لگی اور کتاب کی تیاری میں لگ گئی۔ اس کتاب ''انور آفاقی: آئینہ در آئینہ'' میں ان کے انٹرویو کے ساتھ خاندانی شجرہ بھی شامل ہے۔ امید ہے قارئین ادب پسند فرمائیں گے۔''

''انور آفاقی: آئینہ در آئینہ'' میں انور آفاقی کا خاندانی شجرہ ہے جو چھ صفحات پر محیط ہے۔ اس کے بعد کتاب کی مرتبہ ڈاکٹر عفاف امام نوری نے اپنے والد محترم سے ان کی شخصیت، ملازمت، ادبی کارنامے، خاندانی احوال اور تخلیقات سے متعلق انٹرویو لیا ہے جو 23 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس انٹرویو میں انور آفاقی کی زندگی کے مختلف گوشے نمایاں ہوجاتے ہیں۔

مرتبہ نے انور آفاقی کی مختلف تخلیقات کی بنیاد پر ناقدین ادب کی آراء کو سجانے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ سب سے پہلے انور آفاقی کے شعری مجموعہ ''لمسوں کی خوشبو'' کے حوالے سے تحریر کئے گئے تاثرات ہیں۔ اس ضمن میں پہلا

مضمون جاوید انور (وارانسی) کا ہے۔ موصوف انور آفاقی کی شعری جہات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انور آفاقی کے شعری تخیلات کا رشتہ زمین سے بہت استوار ہے۔ انہیں بخوبی احساس ہے کہ اپنی زمینی مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے محض تاثراتی اور تخیل کے پردے میں تعقلاتی اور مابعد الطبیعیات کی دنیا کو پیش نظر رکھ کر فن کا مکمل اظہار ممکن نہیں۔ فن کی پرورش دراصل ان تمام نظریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے زمینی رشتوں کے آئینے میں ہی ممکن ہے۔ زمین سے رشتہ ٹوٹ جائے تو کوئی ادب زندہ نہیں رہ سکتا۔ یا اگر اظہار کی قوت کو بہت مستحکم بنایا جائے تو پھر بھی یہ محض فنطاسی (Fantasy) کی اعلیٰ ترین مثال کے ہی مشابہ ہوگا۔'' (ص:45)

ڈاکٹر سلیم خاں ''انور آفاقی کی شاعری کا لمس'' کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ حسن اور سادگی کی یکجائی پر جو لوگ یقین نہیں کرتے ان کو چاہئے کہ وہ انور آفاقی کو سنیں، پڑھیں اور محسوس کریں اس لئے کہ یہ احساس کی شاعری ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اپنے مجموعہ کلام کا نام ''لمسوں کی خوشبو'' رکھا ہے۔ خوشبو ایک غیر طبعی احساس ہے جسے نہ دیکھا جاسکتا ہے اور نہ ناپا تولا جاسکتا ہے۔ خوشبو کا تعلق سونگھنے والے کی قوت شامہ سے ہے اس لحاظ سے احساس کی کمیت اور کیفیت ہر فرد کے لئے مختلف ہوتی ہے۔ انور آفاقی کی شاعری کا بھی یہی معاملہ ہے۔

ڈاکٹر مجیر احمد آزاد ایک معروف افسانہ نگار ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تنقیدی و تحقیقی مضامین بھی لکھتے ہیں۔ ان کے پانچ افسانوی مجموعے شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ اپنے آس پاس اور اپنے ماحول پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے۔ وہ سماج کو اچھی حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ غلط رسم و رواج، اندھی عقیدت، فضول خرچی جیسی باتوں پر وہ زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ اونچ نیچ اور ذات پات کے بھید بھاؤ کو وہ اپنے افسانوں کے ذریعہ دور کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ دیہی زندگی کی بالکل سچی عکاسی اپنے افسانوں میں کرتے ہیں۔ انہوں نے ''لمسوں کی خوشبو'' کے حوالے سے ایک منفرد عنوان ''کئی سورج مری آنکھوں میں جلے ہیں بابا'' کے تحت لکھتے ہیں:

''محبت اور یادیں ان کے شعری اظہار کا ایک خاص وصف ہے۔ اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں تو یادوں کا ایک سلسلہ نکل پڑتا ہے۔ ان کے جذبۂ عشق میں پاکیزگی ہے، ایک قسم کی معصومیت ہے اس لئے ہر سامع اور قاری خود کو اس سے وابستہ پاتا ہے۔ ان کے یہاں ذات کا درد وسیع تناظر میں احوال کائنات کا قصہ بن جاتا ہے۔ ''اپنے شہر میں'' ان کی مشہور نظم ہے۔ اس کی رومان پرور فضابندی، حسن خیال اور حسین الفاظ کی پرو کاری سے عبارت ہے۔ اس نظم کو شاعر نے 'اپنی شریک حیات کی نذر' کیا ہے یہ بھی ان کی انفرادیت ہی کہی جائے گی کہ ان کا محبوب ان کی شریک حیات ہے۔ یہ صالح فکر و نظر کی وہ نمائندگی ہے جس کی مثالیں کمیاب ہیں۔'' (ص:61)

خلیق الزماں نصرت انور آفاقی کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انور کے شعروں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ تو نو وارد ہیں اور نہ ان کی شاعری ایسی ہے جس

کے لئے حالی نے پرچم اجتہاد بلند کیا یا کلیم الدین احمد نے اسے نیم وحشی کہہ کر اس کی گردن مار دینے پر زور دیا۔ ان کی شاعری عام فہم ہے جو بے لفظی اور معنوی الجھاؤ سے دور ہے۔

اسلم چشتی (پونے) انور آفاقی کی شاعری سے کافی متاثر نظر آتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ انور آفاقی کی غزلیہ شاعری کلاسیکل شاعری کی اعلیٰ روایتوں کا پاس رکھتی نظر آتی ہے ساتھ میں نئی لفظیات اور تراکیب کو جذب کرتے ہوئے قاری کے ذوق سخن کو محظوظ بھی کرتی ہے اور مطمئن بھی ۔ اس منزل تک پہنچنے میں شاعر انور آفاقی کی جو محبت لگی ہوگی اس کا اندازہ خلوص سے شعر کہنے والا کوئی شاعر ہی لگا سکتا ہے۔

راقم الحروف نے بھی انور آفاقی کے شعری مجموعہ ''لمسوں کی خوشبو'' پر خامہ فرسائی کی ہے۔ صحافی، ادیب و شاعر ڈاکٹر منصور خوشتر انور آفاقی کی شاعری کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ انور آفاقی نے اپنی شاعری میں (لمسوں کی خوشبو) کے توسط سے جو اخلاقی اور معاشرتی سچائیاں بیان کی ہیں وہ فکر و خیال کے مختلف زاویوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کے شعری منصب کو بھی احاطہء واقفیت میں لاتی ہیں۔ انہوں نے اپنے بیشتر اشعار میں سچائی اور حقیقت بیانی کو ترجیح دی ہے جو ان کی فکر و نظر کے پاکیزہ اور صالح عناصر کی نشاندہی کرتی ہیں ۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں زمانے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا خیال کرتے ہوئے اس کی فکری اصالت اور معنوی طہارت کو اردو تہذیب کا ایک ناگزیر حصہ قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

کتاب ''انور آفاقی: آئینہ در آئینہ'' کے دوسرے باب ''دیرینہ خواب کی تعبیر'' کے حوالے سے کئی مشاہیر ادب نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ اس تعلق سے شمیم قاسمی (عظیم آباد) لکھتے ہیں کہ وادیٔ کشمیر کے لیے دربھنگہ سے اچانک انور آفاقی کے رخت سفر باندھنے کی مبارک ساعت کچھ یوں بھی آئی کہ ۲۳ نومبر ۲۰۱۷ء کو منصور خوشتر کی مرتب کردہ کتاب ''اردو ناول کی پیش رفت'' کے رسم اجرا کے لیے جدید افسانوی دنیا کے ممتاز فکشن نگار، اردو پرست اور نگینہ انٹرنیشنل کے مدیر اعلیٰ وحشی سعید (ساحل) کی جانب سے ایک دعوت نامہ ملا تھا۔ رونمائی میں بیک وقت ڈاکٹر انتخاب ہاشمی، انور آفاقی اور منصور خوشتر کی شمولیت سے نہ صرف دربھنگہ شہر بلکہ یوں دبستان عظیم آباد کی بھی نمائندگی ہوگئی۔

''انور آفاقی: کچھ یادیں، کچھ کتابیں'' کے عنوان سے معروف ادیب و شاعر نذیر فتح پوری (پونے) نے انور آفاقی کے تعلق سے کئی یادوں کو اپنے مضمون میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''کتاب ''دیرینہ خواب کی تعبیر'' کے عنوان سے ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کشمیر کے سفر کی روداد ہے جو شخص فطرت پسند ہوتا ہے، قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ اس کی پہلی پسند یقیناً کشمیر جنت نشان ہی ہوگی۔ انور آفاقی جب کشمیر کی سیر کو گئے تو ڈاکٹر منصور خوشتر اور ڈاکٹر انتخاب ہاشمی ان کے ہم سفر و ہم رکاب تھے۔ وادیوں، جھیلوں ، جھرنوں ، پہاڑوں، برف زاروں اور آبشاروں کا سفر اگر کوئی تنہا کرتا ہے تو اسے وہ لطف نہیں ملتا جو ہم سفر اور ہم جولیوں کے ساتھ ملتا ہے۔'' (ص:138)

انور آفاقی کے افسانوی مجموعہ ''نئی راہ نئی روشنی'' کے

حوالے سے بھی کئی مشاہیر ادب نے اپنے مضامین تخلیق کئے ہیں۔ کامران غنی صبا ایک نوجوان شاعر، ناقد اور محقق ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ انور آفاقی کی تخلیقات کا مطالعہ ہمیں ایک حساس اور پراسرار تخلیق کار سے متعارف کرواتا ہے۔ اِس وقت میرے پیش نظر ان کا افسانوی مجموعہ ''نئی راہ نئی روشنی ہے''۔ اس مجموعہ میں کل 13 افسانے شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر افسانے المیاتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں شکستِ محبت کا غم محسوس کیا جاسکتا ہے۔ سماجی بندشوں کے خلاف احتجاج کی دھیمی دھیمی لے انور آفاقی کے افسانوں میں نظر آتی ہے۔

سلیم انصاری جبل پور ''انور آفاقی کے افسانے: عصر حاضر کے تناظر میں'' کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ مجھے انور آفاقی کے بارے میں یہ جان کے خوشگوار حیرت ہوئی کہ وہ اولاً افسانہ نگار ہیں اور انہوں نے پہلا افسانہ ۱۹۷۱ میں تخلیق کیا، بعد میں وہ شاعری کی طرف راغب ہوئے۔ ورنہ عام طور پر لوگ شاعری سے نثر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کی زیرِ نظر کتاب میں ڈاکٹر احسان عالم کا ایک تفصیلی مضمون بھی شامل ہے جس میں انہوں نے انور آفاقی کے تمام افسانوں کا تجزیہ پیش کیا ہے جو اہم اور قابلِ مطالعہ ہے۔

''پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی سے گفتگو'' ایک ایسی کتاب ہے جس میں انور آفاقی نے مناظر عاشق ہرگانوی سے مختلف سوالات پر مبنی انٹرویو پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے حوالے سے معروف شاعر، ناقد، محقق، کالج اور یونیورسٹی کے بہترین منتظم کار پروفیسر مشتاق احمد نے ایک مضمون تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''انور آفاقی کے انٹرویو سے ایک طرف ان کی شخصیت کے ظاہری پہلو سے واقفیت ہوتی ہے تو دوسری طرف ان کے ذہنی روش سے بھی آشنائی ہوتی ہے۔ انور آفاقی کا یہ ادبی کارنامہ قابلِ تحسین ہے کہ انہوں نے پروفیسر ہرگانوی جیسی بحرِ ذخّار شخصیت کو انٹرویو کی صورت یعنی کوزے میں دریا کو سمونے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انٹرویو انسان کے ظاہر و باطن کا آئینہ ہوتا ہے اور اس انٹرویو میں فنِ انٹرویو کے اس تقاضے کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔'' (ص:161)

ڈاکٹر امام اعظم دو درجن کتابوں سے زیادہ کے مصنف ہیں۔ کولکاتا ریجنل سنٹر میں ریجنل ڈائرکٹر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ انہوں نے ''مناظر عاشق ہرگانوی سے انور آفاقی کا مصاحبہ: میری نظر میں'' کے عنوان سے ایک جامع مضمون قلمبند کیا ہے۔ موصوف اس انٹرویو کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی سے انور آفاقی کا یہ مصاحبہ تخلیقی، تنقیدی، صحافتی اور تدریسی مقامیت کے گہرے نقوش چھوڑتا ہے، جس میں ہمہ رنگی کی صفت ہے۔ علاوہ ازیں اس مصاحبے میں انور آفاقی نے ایک تخلیق کار اور باخبر قاری کی حیثیت سے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کو اس طرح کریدا ہے کہ ان کی ذات، ماضی، حال اور مستقبل کے تناظر میں، ان کے خیالات، احساسات اور تجربات ادب و فن کی سمت و رفتار کے بارے میں اور اردو زبان کی بقا و ارتقا پر اکیسویں صدی کے تناظر میں اہم نظریہ سامنے آتا ہے، جو فکر کو مہمیز کرتا ہے اور ہماری آنکھیں کھولتا ہے۔'' (ص:166)

انوارالحسن وسطوی (حاجی پور) ایک معروف ادیب ہیں۔ان کی کئی تصانیف منظرعام پر آچکی ہیں۔موصوف انور آفاقی کی کتاب ''دوبدو'' کے حوالے سے ایک طویل مضمون میں بڑی پُرمغز باتیں اس طرح لکھتے ہیں:

''''دوبدو'' کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے ہر انٹرویو کے قبل انٹرویو دہندہ کا مختصر تعارف بھی پیش کیا ہے جسے پڑھ کر صاحب انٹرویو کے تعلق سے فوری طور پر ایک مثبت رائے قائم ہوتی ہے اور ذہن انٹرویو پڑھنے کے لیے پوری طرح آمادہ ہوجاتا ہے۔''(ص:168)

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی (نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ) انور آفاقی کے انٹرویو کے مجموعہ ''دوبدو'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انور آفاقی نے اس کتاب میں شامل نورتنوں کا ہر انٹرویو سے قبل مختصر تعارف پیش کرکے ان کی ذات وصفات اور خدمات کو سمجھنے کی راہ ہموار کردی ہے۔جس کے پاس وقت ہو وہ پورا انٹرویو پڑھ لے۔معلومات میں اچھا خاصا اضافہ ہوگا۔جس کے پاس وقت کم ہو وہ مختصر تعارف پڑھ کر بھی انٹرویو دینے والوں کے دروبست کو سمجھ سکتا ہے،اس لیے میری نظر میں کتاب وقیع اور اس لائق ہے کہ ادب سے تعلق رہنے والوں کے گھروں میں محفوظ رہے تاکہ آئندہ نسلیں بھی اس کا مطالعہ کرکے ادب کی راہ پر گامزن ہوسکیں، حقیقی ادب میں ان میں آئے فنی ادب تک بھی ان کی رسائی ہوسکے گی۔

سیفی سرونجی (مدیر سہ ماہی ''انتساب'' عالمی) انور آفاقی کی کتاب ''دوبدو'' کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انور آفاقی محقق اور نقاد کی حیثیت سے اپنا ایک الگ منفرد مقام رکھتے ہیں۔یوں تو ان کی بہت سی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔یعنی ''دوبدو'' ایک الگ نوعیت کی کتاب ہے۔حالانکہ انٹرویو پر مشتمل کتابیں منظرعام پر آچکی ہے۔حال ہی میں غلام نبی کمار کی کتاب مشاہر ادب سے مکالمہ شائع ہوئی ہے جو کافی پسند کی جارہی ہے۔انٹرویو سے متعلق جب بھی کتابیں آتی ہیں ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ ایسے نئے پہلو سامنے آتے ہیں جن سے ہم واقف نہیں ہوتے۔انور آفاقی کی یہ کتاب صرف نوادبی شخصیات پر مشتمل ہے۔

انور آفاقی کی عمدہ کتاب ''میزان فکر وفن'' ہے۔اس کتاب پر کئی ناقدین ادب نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔اس کتاب پر اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر شہنواز عالم (اسسٹنٹ پروفیسر،ملت کالج) لکھتے ہیں کہ ''میزان فکر وفن'' میں باریک بینی سے ممتاز شاعروں، افسانہ نگاروں، ناقدوں اور صحافیوں کی خدمات پر ایک تحقیقی رویے کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے وہ بے مثال ہے۔میں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بہار بالخصوص متھلانچل کی ادبی سرگرمیوں نیز شعرا اور ادبا کی ادبی خدمات کی تاریخ مرتب کی جائے گی تو اس وقت میزان فکر وفن ایک قابل اعتماد مشعل راہ ثابت ہوگی۔کیونکہ اس کتاب میں جو مضامین ہیں اور تبصرے شامل ہیں وہ تحقیق وشواہد کی میزان پر پرکھے گئے ہیں۔

سید محمود احمد کریمی ایک معروف مترجم اور ادیب ہیں۔تقریباً نوّے سال کی عمر کے باوجود وہ ادبی کاموں میں منہمک ہیں۔انور آفاقی کی کتاب ''میزان فکر وفن'' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کی کتاب ''میزان فکر وفن'' ایک ادبی تحفہ ہے جو انہوں نے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا

ہے۔ اس کتاب میں چیدہ چیدہ ادیبوں، افسانہ نگاروں اور شاعران عالی مقام کے فکر وفن کا بہتر عنوان سے جائزہ لیا گیا ہے اور محققانہ انداز سے احاطہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش، ان کی مجموعی شخصیت اور ان کے کارناموں پر جو تبصرہ تحقیقی مضمون انور آفاقی نے رقم کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ مقامی شعراء، ادیبوں اور افسانہ نگاروں میں انور آفاقی نے پروفیسر طرزی، ڈاکٹر احسان عالم، ڈاکٹر منصور خوشتر، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، اظہر نیر اور قیام نیر صاحبان کے فکر وفن پر بہتر عنوان سے روشنی ڈالی ہے۔" (ص:227)

کتاب کے آخری حصے میں چند شاعر کے منظوم تاثرات شامل ہیں۔ منظوم تاثرات کے باب میں عالمی شہرت یافتہ شاعر پروفیسر عبدالمنان طرزی انور آفاقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

متاعِ علم و دانش، آگہی، ہیں انور آفاقی
بہارِ باغِ اُردو شاعری ہیں انور آفاقی
جو بلیا تا بہ دربھنگہ وہاں سے تا ابوظہبی
سراپا فن کا حسنِ معنوی ہیں انور آفاقی
دکھاتے ہیں تماشا فکر وفن کا آپ کچھ ایسا
غزل کو بخش دے جو مہ وشی ہیں انور آفاقی

نذیر فتح پوری اپنے منظوم پیرائے میں کہتے ہیں:

آفاقیت ہے آپ کے فنی شعور میں
لفظ و بیاں پہ آپ کو حاصل ہے دسترس
مغرور واہ واہی پہ ہوتے نہیں کبھی
تعبیر ڈھونڈتے ہیں یہ دیرینہ خواب کی

رفیق انجم (مرحوم) لکھتے ہیں:

بزم میں تشریف فرما انور آفاقی بھی ہیں
شہر دربھنگہ کے جو اک در لاثانی بھی ہیں
چومتی ہے اب قدم ان کے دبئی کی سرزمیں
شاعر رنگیں نوا ہیں فخر دانائی بھی ہیں

المختصر یہ کہ ڈاکٹر عفاف امام نوری کی مرتب کردہ کتاب "انور آفاقی: آئینہ در آئینہ" انور آفاقی کی شخصیت اور ان کی تخلیقات سے قارئین اور ناقدین ادب کو روبرو کراتی ہے۔ کتاب کی اشاعت کے لئے مرتبہ عفاف امام نوری اور انور آفاقی کو بہت بہت مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اپنے تین اشعار کے ساتھ اس مضمون کا اختتام کرتا ہوں:

اُن کے فن کو خوشبو نے لمسوں کی بخشا ہے کمال
اس لئے تو اہلِ فن کرتے ہیں ان کا احترام
اطلسی و ریشمی جیسے ردا محبوب کی
ہر غزل رنگیں قبائے یار جیسی لاکلام
پاس ہے اُن کو روایت کا سخن میں کچھ اگر
تو وہیں فن میں ہے عصری حسیت کا التزام

☆☆☆

قطعہ

مل بیٹھے تو ہوتے ہیں مسائل بھی بہت حل
تنہا نہ سفر ہو ترا مل جل کے سدا چل
چل تو نہ سواری پہ کوئی چل کبھی پیدل
دُنیا کو دکھادے تو قیاسؔ اپنا کبھی بل

جہانگیر قیاسؔ، حیدرآباد

ڈاکٹر محمد ناظم علی۔ سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، موڑتاڑ واکیڈمک سینیٹ ممبر تلنگانہ یونیورسٹی

طالب رزاقی کی شعری کائنات

اردو زبان وادب میں ایسے شاعر گذرے ہیں جو کم عمری میں دقیع ووسیع ارفع شعری کارنامے انجام دئے ہیں اور شاعری کو فن کی بلندیوں پر لے گئے ہیں ان میں طالب رزاقی کا نام قابل ذکر ہے، وہ اپنے معاصرین میں کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر مانے جاتے تھے۔

حیدرآباد یکم جولائی ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے، ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۵ء کو ۵۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ان ۵۵ سالوں میں ۴۰ سال پرورش و پرداخت شعر وسخن کرتے رہے، طالب رزاقی کا دور ترقی پسند تحریک کے عروج کا زمانہ تھا، حیدرآباد کے ترقی پسند وشاعروں میں مخدوم محی الدین، وحید اختر، مغنی تبسم، سلیمان اریب، خورشید احمد جامی، شاذ تمکنت، راشد آذر، شاہد صدیقی، اختر حسن اور وقار خلیل جیسے شعراء کا طوطی بول رہا تھا، طالب رزاقی کا مزاج کلاسکیت اور روایت سے مناسبت رکھتا تھا اس کے باوجود ترقی پسندوں کے مشاعروں میں ہاتھوں ہاتھ لئے گئے خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ اس دور کے شعراء میں معتبر اور مستند مانے جاتے تھے۔ دبلے پتلے آدمی تھے گرجدار خوبصورت ترنم اساتذہ کرام کے ساتھ ان کی نشست ہوتی تھی۔ طالب رزاقی نے نظمیں لکھی مگر وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے۔ غزل کی شاندار روایات واقدار ووراثت کے پاسدار غزل میں جدت، ندرت پیدا کرتے تھے۔ ان کی لفظیات وخیالات علائم تشبیہات، استعارات غزل کے مزاج سے ہم آہنگ مربوط تھے۔ زندگی کے حادثات، معاملات، حسن وعشق، قلبی واردات، شخصی وذاتی احساسات وتجزیات ان کے فکر کا حصہ تھے۔ ان کے کلام میں خودداری، عاجزی اور انکساری کی غمازی ملتی ہے۔

ہزاروں آستاں میری جبیں تک کھنچ کے آتے ہیں
کسی کے آستاں تک میری پیشانی نہیں جاتی

طالب رزاقی عبد الماجد دریابادی کے بھتیجے تھے، فانی بدایونی کے بعد حیرت بدایونی سے مشورہ سخن کرتے تھے جن کا مزاج کلاسیکی تھا ان کے والد محترم الحاج شاہ محمد یوسف قادری صوفی صافی تھے، فارسی اور عربی زبان وادب پر قدرت رکھتے تھے، اسی لحاظ سے رزاقی کے شعری مزاج میں ماحول اساتذہ سخن اور خاندان سے مذہبی اور صوفیانہ رنگ آنا فطری بات تھی۔

پروفیسر اشرف رفیع کہتی ہیں ان کے کلام میں صوفیانہ عناصر، حسن وعشق ومحبت، کیف وسوز شامل ہوتا ہے، جذبات حقیقی وقلبی کا اک چشمہ ہے کہ پھوٹا جارہا ہے جو اشعار کی صورت میں رواں ہے۔ ایسے موقع پر سادگی ونغمگی شعر کی شیرینی میں اضافہ کردیتے ہیں۔

ڈاکٹر عقیل ہاشمی طالب رزاقی فکر بلیغ کا شاعر کہتے ہیں:

میری دانست میں یہ ایک مستحسن اقدام ہے کیوں کہ طالب رزاقی جیسے کہنہ مشق مقبول عالم شاعر کے کلام سے استفادہ کا بہتر طریقہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی شاعری وقت اور حالات کی عکاسی کرتی رہی اور شاید اسی مزاج اور مرتبہ کو یا پھر تغزل سے آگہی شگفتگی، برجستگی کے کہنے کا ذریعہ ہو بلکہ اس روایت کی گواہ غزل ایسی تہذیبی عناصر سے تزئین کیفیات

ومراحل سے اس قدر ہوتے ہوئی ہے۔

جلال عارف تہذیبی عناصر اور جمالیاتی حساسات کا شاعر طالب رزاقی میں لکھتے ہیں:

طالب رزاقی صاحب نے غزل کے علاوہ تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی، ان کا حسن خیال، سادگی اور روانی میں پنہاں ہے، آدمی نامہ، یہ زندگی کا کارواں، تازیانہ دور جانے والے داستان خیر وشر قابل توجہ ہیں ان کے علاوہ گیت، رباعیات، مقطعات اور بھجن بھی ہیں۔

پروفیسر فاطمہ بیگم پروین نے لکھا ہے کہ کلام میں عہد گزشتہ کی یاد حال تباہ کاریاں، محبت، وفا واخلاص، خلوص، پیار، رواداری کا خاتمہ، الفاظ کا بے آواز ہوجانا، تاریخ اور تہذیب کا ٹکراؤ۔ آزاری کی خوشی لیکن آپسی نفاق کے بڑھ جانے کا ماتم کیا یہ ایک سچ محب وطن کی دل آواز درد دل کو الفاظ کے پیکر میں محفوظ کرتے رہے۔

ڈاکٹر رحمت یوسف زئی نے طالب رزاقی صاحب کمال شاعری میں کہتے ہیں:

بنیادی طور پر طالب رزاقی ترقی پسند تحریک سے وابستہ نہیں تھے لیکن ہر فنکار جو اپنے عہد کے مسائل کے بارے میں سوچتا ہے اور اپنی تخلیقات میں پیش کرتا ہے وہ ترقی پسند کہا جاسکتا ہے۔ طالب رزاقی کے ہاں کلاسکیت کی روایت کے ساتھ ساتھ مسائل کی پیش کشی بھی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر محسن جلگانوی کہتے ہیں:

اُن کے کلام میں ایک طرح کی خصوصی لطافت اور موسیقیت تھی، روایتی شاعری اور اسلوب سے وابستگی کے باوجود ان کے یہاں گاہے گاہے جدید رجحانات کا پہر تو در آتا تھا۔

پروفیسر مجید بیدار طالب رزاقی کی شاعری میں لکھتے ہیں:

رومانیت اور حقیقت پسندی امتزاج میں لکھے ہیں اگرچہ طالب رزاقی اور روایتی غزل گو شاعر ہیں لیکن غزل کی زمین میں تازہ کار تجربات اور نئے نئے احساسات پیش کرتے ہیں، وہ مختصر بحر میں جس متانت کے ساتھ شعر کہہ سکتے ہیں اُسی طرح اُن کو طویل بحروں میں لکھی ہوئی غزلیں، لطف کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ طالب رزاقی کی شاعری میں زندگی کی مانوسیت اور اس کے درد وغم کی سبھی تصویر کشی دکھائی دیتی ہے، ان کا سارا کلام رومانیت اور حقیقت پسندی سے مالا مال ہے۔

ڈاکٹر سید بشیر احمد طالب رزاقی مضمون میں لکھتے ہیں:

طالب رزاقی کو زبان اور بیان پر دسترس حاصل تھی، ان کے کلام میں دل کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور ماحول کی عکاسی بھی، زندگی کی تلخیوں سے انھیں گہری وابستگی تھی، غزلوں میں درد کسک اور تڑپ کے اثرات نمایاں نظر آئے، کلام میں سلیس شگفتہ اور سادہ ہے۔

ڈاکٹر رؤف خیر قلندر مزاج شاعر طالب رزاقی میں لکھتے ہیں:

طالب رزاقی صاحب نے اپنے شعر میں ایسی باخبری اور خوش ہنری کے نمونے رکھ دیئے ہیں۔ دکھ اور ملی احساس ان کے فن کا شناس نامہ ہے۔

چمکاؤ کچھ اتنا داغوں کو مہکاؤ کچھ اتنا زخموں کو
ہوجائے پشیماں چارہ گری شرمندہ مسیحا ہوجائے

آثار سے ظاہر ہوتا ہے حالات بولنے والے ہیں
امروز کے ماتھے پر ہے شکن کیا جانے کل کیا ہو

ڈاکٹر فاروق شکیل زمین گئی آسمان کیسے کیسے میں لکھتے ہیں:

انھوں نے روایتی شاعری کے حسن کو پامال کئے بغیر غزل کو جدید رجحانات سے بھی سنوارا لہجہ کی سقالت سے پاک کے حسن کو پامال کئے بغیر غزل کو جدید

رجحانات سے بھی سوارا لہجہ ثقالت سے پاک سادگی اور سلاست اُڑتے ہوئے کلام اوپر ہے لیکن کلام میں گیرائی و گہرائی زبان و بیان پر دسترس۔

محمد مسعود خان فضلی لکھتے ہیں:

خداداد صلاحیتوں کا مالک حضرت طالب رزاقی مرحوم حضرت طالب میں شعری فہم و فراست علم و دانش اور غور و فکر کے علاوہ زندگی کے بے ثباتی اور اس کی تلخ حقاء مسائل جیسے نکات کی قافیہ پیائی میں بدرجہ اتم قدرت ہوتی ہے۔

حلیم بابر نے سخن در پختہ و پروردہ حقائق و تہہ دار میں لکھتے ہیں:

طالب رزاقی کا مطالعہ کافی گہرا تھا بیان و زبان پر مکمل عبور تھا ایک منفرد دل نشین ترنم سے کلام سناتے تھے جس کا خاص اثر تھا۔ مون خان شوق نے کہا طالب رزاقی نشاط غم کا شاعر یوں تو میر تقی میر کو بھی کہا جاتا ہے طالب رزاقی کی شاعری سوز و الم، مسائلِ حیات اور نشاط غزل کی شاعری ہے انسان کی عظمتوں کو آشکارا کرنے کی شاعری ہے۔

جوہر ہاشمی نے جناب طالب رزاقی صاحب کی شخصیت و شاعری میں لکھتے ہیں:

ان کی شاعری میں روایتی آن بان بھی ہے اور کلاسیکی رچاہ اور لوی آگہی بھی، جس کی بنا پر وہ ایک جداگانہ مقام کے حامل تھے۔

اشعار کا انتخاب:

اثر پیدا کرے گی اک نہ اک دن
دکھے دل کی صدا ہے بندہ پرور
کس طرح کرسکو گے فراموش تم ہمیں
تاریخ رکھتے آتے ہیں دوراں کے سامنے

ہر روز فسادات پہ چیخ اٹھتی ہے دنیا
یہ سلسلہ ظلم کہیں ختم ہوا ہے

غزل کا بانکپن حیراں کئے دیتا ہے دنیا کو
میرے فن میں سمٹ کر آگئی ہے کس کی رعنائی

یہ حسن کی تسخیر یہ طوفان محبت
انسان کی فطرت کا تقاضوں تو نہیں ہے

دل کی بات رہے دل میں
دنیا کو محرم نہ کرو

تم کیسے مسیحا ہو شفا کیوں نہیں دیتے
جب درد دیا ہے تو دوا کیوں نہیں دیتے

ہر خزاں کے پردے میں اک بہار ہوتی ہے
ہوسکے تو پیدا کر غم سے ہی خوشی اپنی

توہین خودی ہے رک جانا تحقیر خودی ہے جھک جانا
ہر گام پہ سجدہ کرلینا خود دا جبیں کا کام نہیں

زندگی سے کئی باتیں ابھی طے کرنی ہیں
اک ذرا زیست کی معیاد بڑھا دی جائے

غمِ حیات کو جی بھر کے پیار کرلینا
یہ جبر، جبر سہی اختیار کرلینا

زندگی سنورتی ہے حادثوں سے ٹکرا کر
لغزشوں کے صدقے میں آدمی سنورتا ہے

الفاظ کی آواز سنائی نہیں دیتی
آئینہ احساس بھی کم بول رہا ہے

کچھ اور بیاں کرتے ہو روداد تم اپنی
تاریخ کے اوراق پر کچھ اور لکھا ہے

آجاؤ قریبِ دل اتنے غم جان تمنا ہوجائے
یہ دل جو کسی کا ہو نہ سکا ممکن ہے تمہارا ہوجائے

دوسروں کی رہبری ہے میری فطرت کے خلاف
کارواں میں بھی امیر کارواں رہتا ہوں میں

کارواں سے کیوں رہبر دور دور چلتا ہے
کیا یہیں سے مقتل کا راستہ نکلتا ہے

چار تنکوں پر ہیں موقوف میری زندگی
آشیاں میں بے نیاز آشیاں رہتا ہوں میں

کسی کو وہم و گماں تک نہ ہوسکا طالبؔ
مذاقِ شعر کو کہاں پہنچا دیا میں نے

دستورِ ادب کے کیا کہنے، اس فن کے تصدق اے طالبؔ
ہم خونِ جگر سے شعر کہیں، اور نامِ غزل کا ہوجائے

مولانا شاہ محمد فصیح الدین نظامی نے کہا کہ طالب رزاقی فنی مشاقی اور لسانی خلاقی کا شاعر ہے، ان کی شاعری کی ۳۰ خصوصیات بیان کی ہیں۔

محمد ضیاء الدین نیر نے طالب رزاقی جذبوں کو زبان دینے والا شاعر ہیں، کہتے ہیں مجموعی طور پر طالب رزاقی کی شاعری میں سادہ اور سلیس اور عام فہم زبان پر ہے شگفتہ اور اثر انگیز ہے ان کے اشعار میں تہذیب کا جوہر ہے۔

علیم صبا نویدی کہتے ہیں:

مختلف ادبی مفکروں، نقادوں نے طالب کے فکر وفن کو اخذ کیا ہے۔

ڈاکٹر ناظم علی کہتے ہیں:

طالب رزاقی زندگی کے مسائل، زمانے کے نشیب وفراز، انسانیت کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔

ڈاکٹر ناقد رزاقی کہتے ہیں طالب ہندوستانی تہذیب کے علمبردار روح رواں تھے۔

تشکیل انور رزاقی کہتے ہیں طالب رزاقی اردو غزل کو ترقی بام عروج پر پہنچایا۔ غزل کے حسن کو برقرار رکھا۔

نصیر الدین ہاشمی نے طالب رزاقی سوانح اور شخصیت سے متعلق ایک تحریر اپنی مشہور زمانہ کتاب دکن میں اردو میں لکھا تھا وہ کہتے ہیں، ان کا کلام تخیل اور بلندی کے سبب ایک خاص احساس کا حامل ہوگیا تھا ان کے کلام میں ندرت اور موسیقیت کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ خواجہ حمید الدین شاہد کی کتاب امجد سے شاذ تک میں طالب رزاقی کے فکر وفن پر روشنی ڈالی۔ عابد علی خان نے لکھا کہ غزل کو اس کے مزاج سے وابستگی تھی فکر کی سنجیدگی عروض وقواعد پر عبور اور زبان کی لطافت کے سبب ان کے کلام میں تاثیر اور دلکشی پیدا ہوئی۔

صلاح الدین نیر اپنے مضمون شاعروں کے لئے ناگزیر استاد شاعر میں لکھتے ہیں:

ان کا شمار حیدرآباد کے ان شعراء میں کیا ہے جنھوں نے اپنی صلاحیت کی بنا پر اپنی شاعرانہ حیثیت کو مستحکم کیا اور حیدرآباد کی ادبی وشعری تاریخ میں دیگر مقبول

سید نوید جعفری۔حیدرآباد

غزل

فکر و نظر کے باب جہاں مسترد ہوئے
جہل و جنوں کے خواب وہاں مستند ہوئے

اک سیلِ بے اماں ہے مرے غم کا کارواں
کیا کیا حسین لوگ سپردِ لحد ہوئے

دیوانگی کبھی مرا مسلک نہیں رہی
گم آ کے تیری بزم میں ہوش و خرد ہوئے

آنسو کا میرے رنگ تب و تاب وہ کہاں
دامن میں یوں تو آپکے گلہائے صد ہوئے

دنیا سمجھ رہی تھی کہ بدکار ہیں، مگر
بدنام پہلے ہم ہوئے، پھر جا کے بد ہوئے

میں بحرِ بیکراں سی محبت کا ہوں امین
آنسو تمہاری چاہ میں میری سند ہوئے

غیروں کو تھام کر نہ ہمیں بے مقام کر
ہم ہر خوشی سے تیرے لئے نابلد ہوئے

الہام نظم کرتے رہے رہے ہیں نوید ہم
شاعر تھے، اہلِ زر تو نہ تھے، مسترد ہوئے

رخشاں ہاشمی۔مونگیر(بہار)

غزل

ابھی تو ہم نے محبت کی ابتداء کی ہے
زمانے تو نے قیامت کی انتہا کی ہے

ہمیں سے مانگ رہی ہے خراج یہ دنیا
ہمیں نے اس کو تو جاگیر یہ عطا کی ہے

ڈرائے ہم کو نہ دنیا کہ ہم نہیں بزدل
مثال سامنے دنیا کے کربلا کی ہے

اسے نبھایا ہے پھر ہم نے جان بھی دے کر
کہ جس سے ہم نے وفا کی تو پھر وفا کی ہے

جہاں میں بکھرے یہ سارے اُجالے اُن کے ہیں
تمام روشنی اُن کے ہی نقشِ پا کی ہے

جگر کو تھام کے سننا مری غزل رخشاں
کہ اس میں چاشنی اُردو کی، ریختہ کی ہے

شاعروں کے ساتھ ان کا نام اور کلام بھی محفوظ ہے۔ اس طرح مختلف مکاتب فکر کے نقادوں ادیبوں نے ان کی شاعری، فکر وفن پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مزید جامعات میں ان کی حیات اور ادبی وشعری کارناموں پر Ph.D کرنا ناگزیر ہے تاکہ ان کی ادبی شخصیت شعری شناخت کا مقام متیقن ہو سکے۔

ڈاکٹر درخشاں عندلیب خان۔پی۔ایچ۔ڈی، ایجوکیشن،ایم فیل،ایم۔ایڈ،ایم۔اے۔انگلیش ،ہیشٹری۔ہوم ایکونومیک،عربی،اردو

نصاب برائے تعمیری تعلیم

Curriculum for Constructivist Learning

تعمیراتی نظریہ بنیادی طور پر نفسیات، تعلیم اور نرسنگ کے شعبوں میں تحقیقی مطالعات کے لیے ایک مقبول طریقہ ہے۔اس مضمون میں مصنف کا مقصد تعمیری بنیادوں پر مبنی تھیوریکی جڑیں تلاش کرنا اور پھر اس کی نشوونما کا پتہ لگانا ہے۔

کلیدی زمینی تھیوری متن کو سورج کی جانچ کریں وہاں منطقی اور علمی واقفیت کی طرف انہوں نے تحقیق کے حوالے سے اپنے نقطہ نظر میں تعمیری نظریہ پر سٹراس اور کوربن تحریریں تلاش کی ہیں تاکہ وہ تعمیری بنیادوں پر نظریہ پر چرماز کے تاریخی کام پر بھی بات کریں جو اس کی تحقیق میں اس کی پوزیشننگ کے سلسلے میں ڈیٹا اور ریڈنگ کے حوالے سے ہے۔شرکاء کی

بنیاد نظریہ میں تجربات

گراؤنڈڈ تھیوری کو ایک طریقہ کار کے سرپل کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے جو گلیزر اور سٹرلیس کے اصل متن سے شروع ہوتا ہے اور آج بھی جاری ہے مختلف قسم کی علمی پوزیشن جو گراؤنڈ تھیوری کو اپناتی ہے اس سرپل کے مختلف مقامات پر واقع ہے اور اختتام ان کی انڈر لائن آنٹولوجی کا عکاس ہے۔

تعمیری تعلیم تعمیری سیکھنے کے نظریہ پر مبنی ہے تعمیری تعلیم اس عقیدے پر مبنی ہے کہ سیکھنا اس وقت ہوتا ہے جب سیکھنے والے ایک مناسب معنی اور علم کی تعمیر میں فعال طور پر وہ معلومات حاصل کرتے ہیں جو وہ جسمانی طور پر صرف وہی سمجھتے ہیں جسے انہوں نے خود بنایا ہے۔

تعمیری سیکھنے کا مطلب سیکھنے والوں کے لیے سیکھنے کو معنی خیز بنانا ہے اور استاد اور علم کی مقبولیت کے ساتھ سیکھنے والوں کی جدوجہد کو ختم کرنا ہے تعمیری سیکھنے اور تدریسی نقطہ نظر سے سیکھنے والوں کو دیکھنے یا بیرونی محرکات کا جواب دینے سے سیکھنے والوں کو ان کے اپنے علم کی تعمیر میں فعال دیکھنا ہے۔ اس بات کا یقین ہے کہ سماجی تعاملات علم میں اہم ہیں تعمیری چھتری میں تعمیرات کامل استعمال سیکھنے والے براہ راست سنگھ کی ترقی کرتے ہیں اور کیوں اس طرح کے تجربے پر غور کرتے ہوئے علمی عمل کی تعمیر اور اپنے ارد گرد کی دنیا کی حیثیت کے تحت کنسٹرکٹ۔

ویژن کو اس لحاظ سے سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے کہ کس طرح فرد معلوماتی وسائل کا استعمال کرتا ہے اور اپنے ذہنی ماڈلز کو بنانے اور بہتر بنانے کے لیے دوسروں کی مدد کرتا ہے اور ان کے مسائل کع حل کرنے کی حکمت عملی سکھانے کا تعمیری اسٹیم ماڈل سیکھنے والے کو علمی موسم کی تعمیر کے قابل بناتا ہے تعمیرات کی عکاسی کے مقاصد حقائق یا تعمیرات کی عکاسی کے مقاصد حقائق یا تعمیرات اعلی لیبل دانشقرانہ ترقی کے حصول کے لیے ایک بار علمی ترقی کو تیز کرنے کے لیے سمجھا جاتا ہے یا علم کی تعمیر افراد کی دوائیوں کے ساتھ ایک

سماجی بات چیت میں ہونی چاہے۔

(StudentsLearning) طلباء کی سیکھنے کی تاثیر

(Teacher Enthusiasmeffectiveness)

استاد کی حوصلہ افزائی

(Creative Teaching Method)

تخلیقی تدریس کا طریقہ

(Learning Interest) سیکھنے کی دلچسپی

(Students Eveluation Grade)

طلباء کی تشخیص کا درجہ

(Teachers Negative Emotion)

اساتذہ منفی جزبات

(Teachers Instructional Stress)

اساتذہ کی تدریسی کشیدگی

نتیجہ

تعمیر پسندی ایک ذہنیت ہے جو اساتذہ کو طلباء کی سیکھنے کی بنیاد پر سبق کے منصوبے بنانے میں مدد کرتی ہے تاکہ مسائل کو حل کرنے والے انسٹرکٹر کو طالب علم کی مسلسل توجہ مرکوز رکھنے کی ضرورت ہے جس پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے طلباء کے اپنے مخصوص گروپ کو تعمیری ضلع سکھانے کے لیے کون سی حکمت عملی بہترین ہے تاکہ وہ بہت زیادہ استعمال کر سکتے ہیں۔ ہدایات اور خاص طور پر بصری اور تکنیکی سیکھنے کی حکمت عملیوں کے لیے موزوں ہے جو کہ استاد پہلے سے ہی ملازم تعمیریت پسندی میں آسانی سے فٹ بیٹھتا ہے، درحقیقت، آپ پہلے سے ہی استاد ہو سکتے ہیں اور صرف یہ نہیں جانتے۔

☆☆☆

علی شاھدؔ دلکش (مغربی بنگال)

غزل

بروزن: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

ہجر و وصال، درد کا قصہ ہے اور میں
رنجیدہ، نم زدہ یہ دریچہ ہے اور میں

کیسے کٹے گی عمر یہ جاناں تمہارے بن
دل میں ترے فراق کا نوحہ ہے اور میں

خود کی تلاش وادیٔ دل میں ہے کی بہت
اب پاس کچھ نہیں ہے، یہ صحرا ہے اور میں

نفرت کی آندھیوں میں محبت کا تُو دِیا
"پروردگار! تیرا سہارا ہے اور میں"

ہے مقصدِ حیات محبت تری خدا
یہ بندگی تو ایک وسیلہ ہے اور میں

کشتیٔ عشق پار ہو کیسے مرے صنم
نیا بھنور میں، دور کنارا ہے اور میں

شاہدؔ درونِ قلب سے آتی ہے یہ صدا
دل میں میرے غموں کا اجارا ہے اور میں

ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو عین شمس یونیورسٹی قاہرہ، مصر

مسجد اقصی

ہر ایک شخص سے کہتی ہے مسجدِ اقصی
ستم کی فوج نے گھیری ہے مسجدِ اقصی

پھر اس کے صحن میں معصوم خون بہتا ہے
لہو میں بچوں کے ڈوبی ہے مسجدِ اقصی

ستم جو ڈھائے درندوں نے روزِ عید وہاں
تو غرق خون میں دیکھی ہے مسجدِ اقصی

کوئی چھڑائے گا ظالم کی قید سے اس کو
اس انتظار میں بیٹھی ہے مسجدِ اقصی

پلٹ کے آیا نہیں پھر کوئی صلاح الدین
اسی کی یاد میں روتی ہے مسجدِ اقصی

زمانے بھر کے مسلمان اس کو بھول گئے
نہ جانے کب سے اکیلی ہے مسجدِ اقصی

ولا کے دل پہ ہے تحریر شہر قدس کا نام
اور اس کی روح میں بستی ہے مسجدِ اقصی

عروسہ عرشی۔کلکتہ

غزل

تیرے ماتھے پہ پسینے کا جلال اچھا ہے
تو نے محنت سے کمایا ہے جو مال اچھا ہے

اپنے جذبات کو سینے میں دبائے رکھیں
نوجوانوں کے لہو میں یہ ابال اچھا ہے

ایک اک لمحہ ہوا جاتا ہے بھاری ہم پر
لوگ کہتے ہیں کہ اس دیس کا حال اچھا ہے

تم پریشانی میں رہ کر بھی ہنسا کرتے ہو
یہ ہنر اچھا ہے فن اچھا کمال اچھا ہے

وقت کس طرح گزرتا ہے بچھڑ کر مجھ سے
تم نے پوچھا ہے جو اس بار سوال اچھا ہے

مجھ سے کہتے ہیں سبھی لوگ غزل سن کے مری
خوب ہے بندش الفاظ خیال اچھا ہے

اس برس اور بھی نقصان ہوا ہے عرشی
میں نے یہ مان لیا تھا کہ یہ سال اچھا ہے

خیر النساء علیم۔ملک پیٹ،حیدرآباد

چمکا تقدیر کا ستارہ

شینا میری بہت اچھی دوست تو ہے مگر کبھی کبھی اس کی بے تکی فلاسفی بھری باتیں مجھے پسند نہیں آتیں۔ ہمیشہ اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کرنا..... دوسروں کے رویّوں میں برائیاں تلاش کرنا..... اور انھیں ہر ایک سے بیان کرتے پھرنا..... مگر میرا خیال تھا کہ محبت، ہمت، جذبات کا..... عقلمندی کے ساتھ استعمال کریں..... شاید یہ درست رویّہ نہ ہو..... مگر کیا کریں ..... امی کی تربیت.....

''خوش بختی یہ نہیں کہ تم تک ہمارا حق، سر کے بل پہنچ جائے..... اگر نہ پہنچ سکے تو زبردستی چھین لیا جائے.....''

''نا بیٹا نا..... یہ تو نری خود غرضی ہوگی.....''

''وہ جو کسی کے کام آیا..... اپنا سمجھ کر..... اور مولا کا کرم جان کر..... بس وہی ہے خوش بخت اور بلند اقبال.....''

اور ہم اہل مشرق ماں اور اس کی باتوں کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں.....

شینا کی دونوں بھابیاں ہی الگ گھروں میں رہتی تھیں ..... انھیں اپنی بیمار ساس اور نند کا ذرا سا بھی خیال نہیں تھا..... اس کی زبانی بھابیوں کی برائیاں سن سن کر مجھے بڑی وحشت ہوتی تھی..... کیا واقعی بھابیاں اتنی خود غرض ہوسکتی ہیں..... میری اور شینا کی دوستی بڑی گہری تھی..... ہم دونوں ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کئے بنا نہیں رہ سکتے تھے..... جب بھی میں اپنے گھریلو کاموں کی تفصیل اُسے سناتی..... وہ یہ یقین سے کہتی کہ.....

''ہاں بھابیاں تو ہوتی ہیں کہ نندوں کے ذمہ سارے کام لگا کر خود آرام کریں۔''

''نہیں شینا! میری بھابی ایسی نہیں ہیں۔ وہ تو میں خود ہی سارے کام اپنی ذمہ داری سمجھ کر کرتی ہوں۔''

ہمیشہ شینا مجھے بھابی سے بدگمان کرنے کی کوشش کرتی رہتی..... اور میرا دل کبھی اس کی طرف تو کبھی بھابی کی طرف ڈولتا رہتا..... یوں ہی زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی کہ اچانک ایک دن امی بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں..... تب میں نے جانا کہ ہر لمحہ ساعتیں بوجھل لگ رہی ہیں..... حالات کے پیش نظر سب ہی لوگ میری شادی کا مشورہ دے رہے تھے..... تب ہی اچانک بھیا نے یونیورسٹی میں میرا ایڈمیشن کروادیا..... والدین کے نہ ہونے سے میرے دل میں ایک عجیب سا خوف پیدا ہوگیا..... والدین کے نہ ہونے سے عدم تحفظ کا..... اس لئے بھاگ بھاگ کر میں گھر کے کام کرتی..... ہمیشہ بھابی کے موڈ کو مدِ نظر رکھتی..... شینا سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ مجھے بھلا برا کہہ کر چلی جاتی.....

''دیکھنا یہ عورت کبھی تمہاری شادی نہیں کرے گی..... مفت کی نوکرانی کون چھوڑتا ہے بھلا.....''

پھر ایک دن بھابی میرے کمرے میں آئیں..... اور بڑے رسان سے مجھ سے کہنے لگیں.....

''شیراز! میرا اور تمہارے بھائی جان کا ہی نہیں بلکہ امی جان کا بھی انتخاب تھا تمہیں معلوم نہیں..... امی کے انتقال سے چند دن پہلے ہی وہ ہمارے گھر آیا تھا..... امی نے اس کو بہت پسند کیا تھا..... مگر امی کی اچانک موت نے اس بات کو کرنے

ظہور ظہیر آبادی۔تلنگانہ

نظم

دل کا جو درد ہے وہ ہم سے چھپاتے کیوں ہو
جھوٹی مسکان کو چہرے پہ سجاتے کیوں ہو
حشر کے روز نہ رکھ پاؤگے پردہ کوئی
اک نقاب اور یہ چہرے پہ لگاتے کیوں ہو
ہے اگر مجھ سے محبت تو بتاؤ مجھ کو
رازِ اُلفت کو یوں سینے میں چھپاتے کیوں ہو
پایۂ عرش ہلا دیتی ہے آہ ِمظلوم
پھر بھی مجبور یہ تم ظلم یہ ڈھاتے کیوں ہو
اپنی راتوں کے اندھیروں کو مٹانے کے لیے
تم غریبوں کے مکانات جلاتے کیوں ہو
زخم جو دیکے گئے تم کو محبت میں ظہور
آج پھر اُن کو ہی نزدیک بلاتے کیوں ہو

سے ہمیں روک دیا..... کچھ دن بعد اسے کمپنی کی طرف سے جرمنی بھیج دیا گیا..... اب وہ واپس آیا ہے..... تو ہم چاہتے ہیں کہ اس کی امانت اسے لوٹا دیں.....''

خوشی اور سکون جگنو بن کر میری آنکھوں میں چمکے..... اور میرے آنسو بھابی کے ہاتھوں پر گرنے لگے۔

جب میں نے یہ خوشخبری ثمینا کو سنائی تو اس کے خدشوں نے میرے پیروں تلے زمین ہی کھسکا دی.....

''اپنے رشتے کے بھائی سے تمہاری شادی کی بات کر کے انھوں نے تو تمہیں اور تمہارے بھائی کو اپنے احسان تلے دبا دیا ہے..... اب وہ جو چاہتے تمہارے ساتھ سلوک کریں..... تم کچھ نہیں کر سکو گی..... کیوں کہ تمہارا شوہر اور سسرال ان کی مٹھی میں ہوں گے۔''

''ثمینا! تو ہی بتا کون ہے میرا رب؟''

اس روز میں اور ثمینا ایک دوسرے کے گلے لگے خوب روئے تھے..... اور روتو میں تب بھی رہی تھی..... جب بھابی نے مجھے شیراز کے ساتھ شادی کے بندھن میں باندھ دیا تھا..... رخصتی کے وقت شیراز کے ہاتھ میں میرا ہاتھ دیتے ہوئے بھابی کہنے لگیں.....

''ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا شیراز! ثمن میری نند ہی نہیں بلکہ میری بیٹی ہے..... اور میں اس کی ماں ہوں..... اسے کبھی دکھ دینے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں..... کیوں کہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی..... یہ ایک بیٹی کی ماں کی التجا بھی ہے اور حکم بھی..... ثمن بہت نیک سیرت بیٹی ہے..... جو گھروں کا نور اور بخت کی روشنی ہوتی ہے۔''

اور پھر مجھے خود آگے بڑھ کر روتی ہوئی بھابی کو چپ کرنا پڑا تھا..... جب بھابی نے مجھے شیراز کے ہمراہ گاڑی میں بٹھا کر رخصت کیا تھا..... تب میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے..... مگر یہ آنسو تو خوشی اور بہت سارا تشکر کے تھے..... سچی خوشی جو ابھی چند لمحے پہلے میرے رب نے مجھے دی تھی۔

اب شیراز کی سنگت میں سسرال جاتے ہوئے میں سوچ رہی ہوں..... اچھا عمل تو بالکل ایک اچھے بیج جیسے ہوتا ہے..... جب جہاں چاہے ایک سایہ دار درخت اور میٹھے پھل کی صورت اجر ضرور دیتا ہے..... یوں سمجھو کا تب تقدیر نے میری قسمت کے سب ہی ورق خوش بختی کے سنہرے حروف سے لکھے ہیں۔

یہ بالکل سچ ہے کہ اللہ کسی نیکی کو کبھی ضائع نہیں کرتا نیک نیتی سے محبت بھرے رویّے سے ہر ایک کا دل جیتا جاسکتا ہے..... صرف ہمیں مثبت رویّے اپنانے چاہئیں ..... نیکی، ہمدردی، خلوص، محبت کے جذبے کبھی رائیگاں نہیں ہوتے۔

سید عظمت اللہ بیابانی۔حیدرآباد

الحاج سید عارف اللہ بیابانی صاحب

ولد ڈاکٹر سید اسماعیل بیابانی صاحب

تاریخ پیدائش: ۱۹؍مارچ ۱۹۳۸ء

تاریخ وفات: ۱۳؍نومبر ۲۰۲۲ء

کون کہتا ہے کہ مومن مرگیا
قید سے چھوٹا وہ اپنے گھر گیا

ملت کے ہمدرد و غمخوار شخصیت کے مالک، اعلیٰ عہدہ پر رہتے ہوئے ایسی خدمات ہم وطنوں کے لئے کرنے والے، بہت سی زبانوں کے جاننے والے، کئی رفاعی خدمات کے علاوہ یتیم خانے کی ہر طرح سے نگہداشت کرنے والے، قیمتی سے قیمتی دینی وادبی کتابوں کے ذریعے لائبریری قائم کرنے والے، امت مسلمہ کی بیٹیوں کے لئے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارہ کھولنے میں بھرپور تعاون کرنے والے، پالیٹکنک کے ادارہ کو کھولنے والے، اس کے علاوہ دیہاتوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے شہر آئے ہوئے طلباء کے لئے ایک دینی ماحول میں اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے رہائشی کمروں کا انتظام کرنے والے جناب الحاج سید عارف اللہ بیابانی صاحب، ۱۹؍مارچ ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے اور ان کا انتقال ۱۳؍نومبر ۲۰۲۲ء کو ہوا۔

Alhaj Syed Arifullah Beyabani
S/o Late Dr. Syed Ismail Beyabani
DOD: 13-11-2022

یہ وہ شخص ہیں جو اپنے چھوٹے بھائیوں کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے تعلیمی دور میں اعلیٰ تعلیم کے لئے جو سیٹ حاصل کی تھی، اس کو قربان کردیئے تاکہ ان کے چھوٹے بھائیوں کی تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

اللہ جل جلالہٗ سے دعا ہے کہ جناب کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین

پرواز احمد۔ چندولی، اُتر پردیش

دیواروں والا باغیچہ (۱)

پہلا لڑکا جس کا نام یوسف تھا اس نے بارہ سال کی عمر میں اچانک اپنا گھر چھوڑ دیا تھا۔ اسے آج بھی یاد ہے کہ وہ خشک سالی کا موسم تھا، جب ہر دن پچھلے دن جیسا ہی ہوتا تھا۔ غیر متوقع پھول کھلتے اور مرجھا جاتے تھے۔ عجیب وغریب کیڑے مکوڑے نے چٹانوں کے نیچے ٹکرا دیا اور جلتی ہوئی دھوپ میں اپنی موت کے منہ میں چلے گئے۔ سورج نے دور دراز کے درختوں کو ہوا میں لرزایا اور گھروں کو لرزاں اور سانس لینے کے لیے سنسان کر دیا۔ ہر روندتے ہوئے قدموں پر دھول کے بادل چھا جاتے ہیں اور دن کی روشنی میں سخت خاموشی چھائی رہتی ہے۔ اس طرح کے عین مطابق لمحات سیزن کے واپس آئے۔

اس نے اس وقت ریلوے پلیٹ فارم پر دو یورپیوں کو دیکھا، جن میں سے پہلے شخص کو اس نے پہلے بھی کبھی دیکھا تھا۔ وہ خوفزدہ نہیں تھا اور نہ پہلے خوفزدہ تھا۔ وہ ٹرینوں کو شور مچاتے ہوئے خوبصورتی سے آتے ہوئے دیکھنے کے لیے اکثر اسٹیشن پر جاتا تھا، اور پھر ان کے دوبارہ باہر نکلنے کا انتظار کرتا تھا۔ انڈین سگنل مین نے اپنے قلم اور سیٹی کے ساتھ مارش کی۔ اکثر یوسف گھنٹوں ٹرین کے آنے کا انتظار کرتا تھا۔ دونوں یورپی بھی انتظار کر رہے تھے، ایک کینوس کے نیچے اپنے سامان کے ساتھ چند فٹ کے فاصلے پر کھڑے تھے۔ آدمی بڑا تھا، اتنا لمبا تھا کہ اس کینوس کو چھونے سے بچنے کے لیے اسے اپنا سر نیچے کرنا پڑا جس کے نیچے اس نے سورج سے پناہ لی تھی۔ عورت سائے میں مزید پیچھے کھڑی تھی، اس کا چمکتا ہوا چہرہ جزوی طور پر دوٹوپیوں سے چھپا ہوا تھا۔ اس کے بھرے ہوئے سفید بلاؤز کو گردن اور کلائیوں پر بٹن لگا ہوا تھا، اور اس کے لمبے اسکرٹ نے اس کے جوتے صاف کیے تھے۔ وہ لمبا اور بڑا بھی تھا، لیکن مختلف طریقے سے۔ جہاں وہ گانٹھ اور نڈھال لگ رہی تھی، گویا کوئی اور شکل اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی، وہ لکڑی کے ایک ٹکڑے سے تراشی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ وہ مختلف سمتوں میں گھور رہے تھے، جیسے وہ ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ ہوں۔ جب اس نے دیکھا، یوسف نے دیکھا کہ عورت اپنے ہونٹوں پر رومال چلا رہی ہے، اتفاق سے خشک جلد کے فلیکس کو رگڑ رہی ہے۔ اس آدمی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، اور جب اس کی نظریں سٹیشن کے خستہ حال منظر نامے پر دھیرے دھیرے چلی، لکڑی کے بند گوداموں اور ایک چمکتے ہوئے سیاہ پرندے کی تصویر کے ساتھ پیلے رنگ کے بڑے جھنڈے کو لے کر، یوسف ایک طویل نظر ڈالنے کے قابل ہو گیا۔ اس پر پھر اس نے مڑ کر یوسف کو گھورتے دیکھا۔ اس شخص نے پہلے نظریں ہٹائیں اور پھر کچھ دیر یوسف کی طرف دیکھا۔ یوسف اپنی آنکھیں پھاڑ نہ سکا۔ اچانک آدمی نے غیر ارادی طور پر اپنے دانت نکالے، اپنی انگلیوں کو ناقابل فہم انداز میں گھمایا۔ یوسف نے انتباہ پر دھیان دیا اور وہ الفاظ بڑبڑاتے ہوئے بھاگ گئے جب اسے خدا کی طرف سے اچانک اور غیر متوقع مدد کی ضرورت پڑنے پر اسے کہنا سکھایا گیا تھا۔

اس سال اس نے اپنا گھر چھوڑا وہ بھی وہ سال تھا جب لکڑی کے کیڑے نے پچھلے پورچ میں پوسٹوں کو متاثر کیا تھا۔ جب بھی وہ ان کے پاس سے گزرتے تھے تو اس کے والد غصے سے پوسٹوں کو مارتے تھے، انہیں بتاتے تھے کہ وہ جانتے ہیں

کہ وہ کس کھیل میں مصروف ہیں۔لکڑی کے کیڑے نے ان شہتیروں پر پگڈنڈیاں چھوڑ دی تھیں جو اُڑی ہوئی زمین کی طرح تھیں جو خشک ندی کے بستر میں جانوروں کی سرنگوں کو نشان زد کرتی تھیں۔جب بھی یوسف ان کو مارتا تھا تو پوسٹیں نرم اور کھوکھلی لگتی تھیں، اور سڑنے کے چھوٹے چھوٹے دانے دار بیضوں کا اخراج ہوتا تھا۔جب وہ کھانے کے لیے بڑبڑایا تو اس کی ماں نے اسے کیڑے کھانے کو کہا۔

''مجھے بھوک لگی ہے،'' اس نے اس پر روتے ہوئے کہا، بغیر پڑھے لکھے لٹانی میں وہ ہر گزرتے سال کے ساتھ بڑھتی ہوئی بدمزگی کے ساتھ تلاوت کر رہا تھا۔

''لکڑی کے کیڑے کو کھاؤ،'' اس کی ماں نے مشورہ دیا، اور پھر اس کی مبالغہ آمیز نظروں سے نفرت بھری پریشانی پر ہنسی۔''جاو، جب چاہو اپنے آپ کو اس سے بھر لو۔ مجھے آپ کو روکنے نہ دیں۔''

اس نے دنیا کے تھکے ہوئے انداز میں آہ بھری جس کے ساتھ وہ اسے یہ دکھانے کے لیے تجربہ کر رہا تھا کہ اس کا مذاق کتنا قابل رحم تھا۔بعض اوقات وہ ہڈیاں کھاتے تھے، جنہیں اس کی ماں نے ایک باریک سوپ بنانے کے لیے اُبالا تھا جس کی سطح رنگ اور چکنائی سے چمکتی تھی، اور جس کی گہرائی میں سیاہ چمڑے کے گودے کے گانٹھ چھپ جاتے تھے۔سب سے بری بات یہ تھی کہ وہاں صرف بھنڈی کا سٹو تھا، لیکن وہ چاہے بھوکا ہی کیوں نہ ہو یوسف پتلی چٹنی کو نگل نہیں سکتا تھا۔

ان کے چچا عزیز بھی اس وقت ان سے ملنے آئے۔ اس کے دورے مختصر اور دور کے درمیان تھے، عام طور پر ان کے ساتھ مسافروں اور قلیوں اور موسیقاروں کا ایک ہجوم ہوتا تھا۔وہ ان کے ساتھ سمندر سے پہاڑوں، جھیلوں اور جنگلوں تک اور خشک میدانوں اور اندرونی حصوں کی ننگی چٹانی پہاڑیوں کے اس طویل سفر پر ان کے ساتھ رکا۔اس کی مہمات میں اکثر ڈھول اور ٹمبوری اور سینگ اور سیوا شامل ہوتے تھے، اور جب اس کی ٹرین شہر میں داخل ہوتی تھی تو جانوروں میں بھگدڑ مچ جاتی تھی اور بچے باہر نکل جاتے تھے، اور بچے قابو سے باہر ہو جاتے تھے۔

چچا عزیز نے ایک عجیب اور غیر معمولی بو، کھال اور خوشبو، مسوڑوں اور مسالوں کا آمیزہ اور ایک اور کم واضح بو دی جس نے یوسف کو خطرے کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔اس کا معمول کا لباس باریک روئی کا ایک پتلا، بہتا ہوا کانزو تھا اور اس کے سر پر ایک چھوٹی سی کروشیٹ ٹوپی تھی۔اپنی نفیس فضاؤں اور اپنے شائستہ، بے اثر انداز میں، وہ دوپہر کے آخر میں ٹہلنے والے آدمی یا شام کی نماز کے لیے جانے والے نمازی سے زیادہ اس سوداگر کی طرح لگ رہا تھا جس نے کانٹوں کی جھاڑیوں اور زہر تھوکتے ہوئے سانپوں کے گھونسلوں سے گزر کر راستہ اختیار کیا ہو۔یہاں تک کہ آمد کی گرمی میں، تھکے ہوئے اور شور مچانے والے قلیوں اور چوکس، نوکیلے بنچوں والے تاجروں سے گھرے ہوئے گٹھوں کی افراتفری اور بے ترتیبی کے درمیان، چچا عزیز پرسکون اور پرسکون نظر آنے میں کامیاب رہے۔اس دورے پر وہ اکیلا آیا تھا۔

یوسف ہمیشہ ان کے دوروں سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ اس کے والد نے کہا کہ وہ ان پر عزت لاتے ہیں کیونکہ وہ اتنے امیر اور مشہور تاجر تھے-تاجیری مکبوالیکن یہ سب کچھ نہیں تھا، اگرچہ عزت ہمیشہ تھی۔ چچا عزیز ہر بار جب بھی ان کے ساتھ رکتے تھے، بغیر کسی ناکامی کے، دس آنہ کا ٹکڑا دیتے تھے۔ اس سے اس کے سوا کچھ نہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنے آپ کو مناسب وقت پر پیش کرے۔ چچا عزیز نے اسے دیکھا، مسکرا کر اسے سکہ دیا۔ یوسف کو لگا کہ وہ بھی ہر لمحہ مسکرانا چاہتا ہے، لیکن اس نے خود کو روک لیا کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ ایسا کرنا اس کے لیے غلط ہوگا۔یوسف

چچا عزیز کی چمکیلی جلد اور اس کی پراسرار بو کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی اس کی خوشبو دنوں تک معطر رہی۔

ان کے دورے کے تیسرے دن تک صاف ظاہر تھا کہ انکل عزیز کی رخصتی قریب تھی۔ باورچی خانے میں غیر معمولی سرگرمی تھی، اور دعوت کی بے ہنگم، ملی جلی خوشبو۔ میٹھا فرائینگ مصالحہ، ابلتی ہوئی ناریل کی چٹنی، خمیری بنس اور چپٹی روٹی، بیکنگ بسکٹ اور ابلتا ہوا گوشت۔ یوسف نے اس بات کو یقینی بنایا کہ وہ سارا دن گھر سے زیادہ دور نہ رہے، اگر اس کی والدہ کو پکوان بنانے میں مدد کی ضرورت ہو یا ان میں سے کسی ایک کے بارے میں رائے چاہیں۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ایسے معاملات پر اس کی رائے کو اہمیت دیتی ہے۔ یا وہ چٹنی ہلانا بھول سکتی ہے، یا اس لمحے کو یاد کر سکتی ہے جب گرم تیل سبزیوں کو شامل کرنے کے لیے کافی حد تک کانپ رہا ہو۔ یہ ایک مشکل کاروبار تھا، کیونکہ جب وہ کچن پر نظر رکھنے کے قابل ہونا چاہتا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ماں اسے دیکھتی ہوئی روٹی کھاتے ہوئے دیکھے۔ اس کے بعد وہ اسے لامتناہی کاموں پر بھیجنا یقینی بنائے گی، جو کہ اپنے آپ میں کافی برا ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ انکل عزیز کو الوداع کہنے سے بھی محروم ہو سکتا ہے۔ رخصتی کے وقت ہمیشہ دس آنہ کا ٹکڑا ہاتھ بدلتا تھا، جب چچا عزیز اپنا ہاتھ چومنے کے لیے پیش کرتے تھے اور یوسف کے سر کے پچھلے حصے پر جھکتے تھے۔ پھر عملی طور پر آسانی کے ساتھ وہ سکہ یوسف کے ہاتھ میں دے دیتا۔

اس کے والد عموماً دوپہر کے فوراً بعد تک کام پر رہتے تھے۔ یوسف نے اندازہ لگایا کہ وہ انکل عزیز کو اپنے ساتھ لے کر آئے گا، اس لیے مارنے کے لیے کافی وقت تھا۔ اس کے والد کا کاروبار ایک ہوٹل چلاتا تھا۔ یہ کاروبار کی ایک لائن میں تازہ ترین تھا جس کے ساتھ اس نے اپنی قسمت اور اپنا نام بنانے کی کوشش کی تھی۔ جب وہ موڈ میں تھا تو اس نے انہیں گھر پر دوسری اسکیموں کی کہانیاں سنائیں جن کے بارے میں اس نے سوچا تھا کہ وہ کامیاب ہوں گی، جس سے وہ مضحکہ خیز اور مزاحیہ لگیں۔ یا یوسف نے اسے شکایت کرتے ہوئے سنا کہ کس طرح اس کی زندگی خراب ہوگئی، اور اس کی ہر کوشش ناکام ہوگئی۔ ہوٹل، جو اوپر والے کمرے میں چار صاف ستھرا بستروں والا کھانے کا گھر تھا، کاوا کے چھوٹے سے قصبے میں تھا، جہاں وہ چار سال سے رہ رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ جنوب میں، ایک اور چھوٹے سے قصبے میں کھیتی باڑی کے علاقے میں رہتے تھے جہاں ان کے والد نے ایک اسٹور رکھا تھا۔ یوسف کو ایک سبز پہاڑی اور دور پہاڑوں کے سائے اور ایک بوڑھا آدمی یاد آیا جو سٹور کے سامنے فرش پر سٹول پر بیٹھا ریشم کے دھاگے سے ٹوپیوں پر کڑھائی کر رہا تھا۔ وہ کاوا میں اس لیے آئے تھے کیونکہ یہ ایک بوم ٹاؤن بن گیا تھا جب جرمنوں نے اسے ریلوے لائن کے ڈپو کے طور پر استعمال کیا تھا جسے وہ اندرونی علاقوں کی بلندیوں تک بنا رہے تھے۔ لیکن تیزی تیزی سے گزر گئی، اور ٹرینیں اب صرف لکڑی اور پانی لینے کے لیے رکی تھیں۔ اپنے آخری سفر پر چچا عزیز نے مغرب کی طرف پیدل سفر کرنے سے پہلے کاوا تک لائن کا استعمال کیا تھا۔ اپنی اگلی مہم پر، اس نے کہا، وہ شمال مغربی یا شمال مشرقی راستہ اختیار کرنے سے پہلے جہاں تک وہ لائن سے اوپر جا سکے گا، جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ان میں سے کسی ایک جگہ پر بھی اچھی تجارت کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی یوسف نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ ساری بستی جہنم میں جا رہی ہے۔

ساحل پر جانے والی ٹرین شام کو روانہ ہوئی اور یوسف نے سوچا کہ چچا عزیز اس پر سوار ہوں گے۔ اس نے اپنے انداز میں کسی بات سے اندازہ لگایا کہ انکل عزیز گھر جا رہے ہیں۔ لیکن آپ لوگوں کے بارے میں کبھی بھی یقین نہیں کر سکتے تھے،

اور ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ پہاڑوں تک اپ ٹرین لے جائے گا، جو دوپہر کے وسط میں چلی تھی۔ یوسف کسی بھی نتیجے کے لیے تیار تھا۔ اس کے والد نے توقع کی کہ وہ ہر روز دوپہر کی نماز کے بعد ہوٹل میں کاروبار کے بارے میں جاننے کے لیے حاضر ہوں گے، اس کے والد نے اسے بتایا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھیں، لیکن واقعی ان دونو جوانوں کو فارغ کرنے کے لیے جنھوں نے مدد کی اور صفائی کی۔ باورچی خانے میں، اور کس نے گاہکوں کو کھانا پیش کیا۔ ہوٹل کے باورچی نے پیا اور لعنت بھیجی اور یوسف کے علاوہ سب کو دیکھ کر گالیاں دیں۔ جب وہ اسے دیکھتا تو وہ بدتمیزی کے ساتھ مسکراہٹ کے ساتھ ٹوٹ جاتا، لیکن یوسف پھر بھی اس کے سامنے خوفزدہ اور کانپتا رہا۔ اس دن وہ ہوٹل نہیں گیا اور نہ ہی اس نے اپنی ظہر کی نماز پڑھی، اور دن کے اس وقت کی شدید گرمی میں اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی اسے شکار کرنے کی زحمت کرے گا۔ اس کے بجائے وہ سایہ دار کونوں میں اور گھر کے پچھواڑے میں مرغیوں کے گھروں کے پیچھے گھونگھٹتا رہا، یہاں تک کہ دوپہر کی دھول کے ساتھ اٹھنے والی دم گھٹنے والی بو نے اسے وہاں سے بھگا دیا۔ وہ ان کے گھر کے قریب لکڑی کے اندھیرے صحن میں چھپا ہوا تھا، گہرے جامنی رنگ کے سائے کی جگہ اور چھپکلی کی چھت تھی، جہاں اس نے چھپکلیوں کی محتاط آوازیں سنی اور دس آنہ پر گہری نظر رکھی۔

اسے لکڑی کے صحن کی خاموشی اور اداسی پریشان کن نہیں لگی، کیونکہ وہ اکیلے کھیلنے کا عادی تھا۔ اس کے والد اسے گھر سے دور کھیلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہم وحشیوں میں گھرے ہوئے ہیں،' اس نے کہا۔ واشنزی، جن کا خدا پر یقین نہیں ہے اور جو درختوں اور چٹانوں میں رہنے والی روحوں اور شیاطین کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ چھوٹے بچوں کو اغوا کرنے اور اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے سے بہتر کچھ نہیں چاہتے۔ یا آپ ان دوسرے لوگوں کے ساتھ جائیں گے جن کی کوئی پرواہ نہیں ہے، وہ لوفر اور لوفر کے بچے، اور وہ آپ کو نظر انداز کر دیں گے اور جنگلی کتوں کو آپ کو کھانے دیں گے۔ یہاں قریب ہی رہیں جہاں یہ محفوظ ہو، تاکہ کوئی آپ پر نظر رکھ سکے۔' یوسف کے والد نے اسے ہندوستانی اسٹور کیپر کے بچوں کے ساتھ کھیلنے کو ترجیح دی جو پڑوس میں رہتے تھے، سوائے اس کے کہ جب اس نے ان کے قریب جانے کی کوشش کی تو ہندوستانی بچوں نے ریت پھینکی اور اس کا مذاق اڑایا۔ ' گولو، گولو،' وہ اس کی سمت میں تھوکتے ہوئے اس کی طرف نعرے لگاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ بڑے لڑکوں کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا جو درختوں کے سائے میں یا مکانوں کے نیچے رہتے تھے۔ اسے لڑکوں کے ساتھ رہنا پسند تھا کیونکہ وہ ہمیشہ لطیفے سناتے تھے۔ ان کے والدین وبرو اکے طور پر کام کرتے تھے، لائن تعمیر کرنے والے گروہوں میں جرمنوں کے لیے مزدوری کرتے تھے، ریل ہیڈ پر کام کرتے تھے، یا مسافروں اور تاجروں کے لیے پورٹرنگ کرتے تھے۔ انھیں صرف اس کام کے لیے معاوضہ دیا جاتا تھا، اور کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا۔ کوئی کام نہیں، یوسف نے لڑکوں کو یہ کہتے سنا تھا کہ جرمن لوگوں کو پھانسی دے دیتے ہیں اگر وہ زیادہ محنت نہ کریں، اگر وہ پھانسی دینے کے لیے بہت چھوٹے ہوتے تو ان کے پتھر کاٹ ڈالتے، جرمنوں کو کسی چیز کا ڈر نہیں تھا، انہوں نے جو چاہا وہ کیا اور نہ کیا۔ ایک لڑکے نے بتایا کہ اس کے والد نے ایک جرمن کو جلے بغیر اپنا ہاتھ بھڑکتی آگ کے دل میں ڈالتے ہوئے دیکھا تھا، جیسے وہ کوئی پریت ہو۔

وبرو اجوان کے والدین تھے، کاوا کے شمال میں اسمبارا ہائی لینڈز سے، ہائی لینڈز کے مغرب میں فیب الوس جھیلوں سے، جنگ زدہ سوانا سے جنوب میں اور بہت سے ساحل سے آئے تھے۔ وہ اپنے والدین کے بارے میں ہنستے تھے، ان کے

ڈاکٹر فاروق شکیل۔حیدرآباد

غزل

کوئی اندازہ کیا ہوغم کا اس کے دیدہ تر سے
بھرے بازار میں دستار جس کی گرگئی سر سے
امیری دیکھتی رہتی ہے حسرت سے غریبی کو
سکون دل نہیں ملتا اسے جب مال سے زر سے
خطا ہوتی ہے سرزد جب بھی کوئی مجھ سے دانستہ
برابر چیختا رہتا ہے کوئی میرے اندر سے
مجھے معلوم ہے اک دن مجھے بھی موت آئے گی
تو کیا میں چھوڑ دوں جینا بھی اپنی موت کے ڈر سے
مری ماں کی نشانی بھی مجھے لگتی ہے ماں جیسی
لپٹ کر اس لئے روتا ہوں اپنی ماں کی چادر سے

کام کے گانوں کا مذاق اڑاتے تھے اور گھر میں لائی گئی ناگوار اور کھٹی بو کی کہانیوں کا موازنہ کرتے تھے۔ انہوں نے ان جگہوں کے نام بنائے جہاں سے ان کے والدین آئے تھے، مضحکہ خیز اور ناخوشگوار نام جو وہ ایک دوسرے کو گالی دیتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے۔ بعض اوقات وہ لڑتے، گرتے اور لاتیں مارتے اور ایک دوسرے کو تکلیف دیتے۔ اگر وہ کر سکتے تھے تو، بڑے لڑکوں کو نوکروں یا کام کرنے والوں کے طور پر کام مل جاتا تھا، لیکن زیادہ تر وہ آرام کرتے اور کھرچتے تھے، مردوں کے کام کے لیے کافی مضبوط ہونے کا انتظار کرتے تھے۔ یوسف ان کے ساتھ بیٹھ گیا جب انہوں نے اسے اجازت دی، ان کی گفتگو سن کر ان کی طرف بھاگا۔

وقت گزرنے کے لیے وہ گپ شپ کرتے یا تاش کھیلتے۔ ان کے ساتھ ہی یوسف نے پہلی بار سنا کہ بچے عضو تناسل میں رہتے ہیں۔ جب ایک آدمی کو بچہ چاہیے تو اس نے بچہ کو عورت کے پیٹ میں ڈال دیا جہاں اس کے بڑھنے کی گنجائش زیادہ ہوتی ہے۔ وہ اکیلا نہیں تھا جس نے کہانی کو ناقابل یقین پایا، اور بحث کے گرم ہونے کے ساتھ ہی عضو تناسل کو نکالا اور ماپا گیا۔ جلد ہی بچے بھول گئے اور عضو تناسل اپنے طور پر دلچسپ ہو گئے۔ بڑے لڑکے اپنے آپ کو ظاہر کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے اور چھوٹوں کو مجبور کیا کہ وہ ہنسنے کے لیے اپنے چھوٹے ابدال کو بے نقاب کریں۔

کبھی وہ کپنڈے کھیلتے۔ یوسف کو بیٹنگ کا موقع نہیں ملا، کیونکہ عمر اور طاقت نے بیٹنگ آرڈر کا تعین کیا تھا، لیکن جب بھی اسے اجازت ملتی تھی وہ فیلڈرز کے ہجوم میں شامل ہو جاتے تھے جو لکڑی کے اڑتے ہوئے سلگ کے بعد دھول سے بھری کھلی جگہوں کا پیچھا کرتے تھے۔ ایک بار اس کے والد نے اسے گلیوں میں بچوں کے ایک پراسرار ہجوم کے ساتھ بھاگتے ہوئے دیکھا جو کپنڈے کا پیچھا کر رہے تھے۔ اس نے اسے ناپسندیدگی کی سخت نظر دی اور اسے گھر بھیجنے سے پہلے اسے تھپڑ مارا۔

یوسف نے اپنے آپ کو کپانڈے بنایا، اور اس کھیل کو ڈھال لیا تاکہ وہ اسے خود کھیل سکے۔ اس کی موافقت میں یہ ظاہر کرنا شامل تھا کہ وہ بھی دوسرے تمام کھلاڑی ہیں، اس فائدہ کے ساتھ کہ اس طرح وہ جب تک ایسا محسوس کرتا ہے بیٹنگ کر سکتا تھا۔ اس نے ان کے گھر کے سامنے والی سڑک کا پیچھا کیا، جوش و خروش کے ساتھ چیختے ہوئے اور ایک کپنڈے کو پکڑنے کی کوشش کی جو اس نے ہوا میں اتنی ہی بلندی پر مارا تھا، تاکہ اس کے نیچے آنے کے لیے خود کو وقت دے سکے۔

☆☆☆

تلنگانہ یونائیٹڈ ایڈیٹر اسوسی ایشن حیدرآباد کے زیر اہتمام سمینار، مشاعرہ بعنوان: ''موجودہ دور میں تلنگانہ کی اُردو صحافت کو درپیش چیالنجس'' کے موقع پر مہمان خصوصی کی حیثیت سے اُردو گھر مغلپورہ حیدرآباد میں مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد خطاب کرتے ہوئے۔ تصویر میں جناب میر ہادی علی، صدر تلنگانہ یونائیٹڈ ایڈیٹر اسوسی ایشن حیدرآباد، پروفیسر محمد مصطفیٰ علی سروری، مولانا سید دلدار حسین عابدی، اعزاز علی قریشی ایڈوکیٹ، سید زین العابدین ناہید اور سہیل عظیم دیکھے جاسکتے ہیں۔

اُردو ادب کی نئی نسل میں منتقلی وقت کی اشد ضرورت، رسمِ اجرائی تقریب 'ادبی مضامین' سے مقررین کا خطاب۔

تصویر میں ڈاکٹر مختار احمد فردین صدر آل انڈیا اُردو ماس سوسائٹی فار پیس، مصنفِ کتاب ڈاکٹر محمد آصف علی صدر احمد علی میموریل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی، مشہور صحافی وشاعر طاہر رومانی صدر فری پریس ایڈیٹرس اینڈ جرنلسٹس فیڈریشن، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد اور فضل احمد ایڈیٹر روزنامہ ''مسکان'' حیدرآباد دیکھے جاسکتے ہیں۔

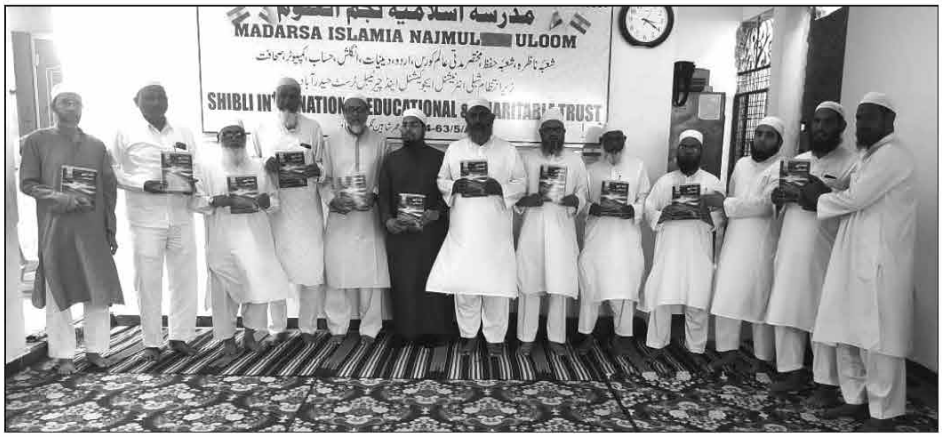

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد میں ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کے تازہ شمارہ کی رونمائی کرتے ہوئے۔تصویر میں مولانا مساعد ہلال احیائی، حافظ محمد شاکر قاسمی، مولانا اشرف علی اشاعتی، مولانا محمد بُشَیر معروفی، مولانا نورالعین قاسمی، ڈاکٹر محمد حمران معروفی، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، محمد سلمان انجینئر، الحاج رئیس اقبال انجینئر، الحاج محمد ریاض اللہ خان، الحاج قمرالدین، محمد مجاہد ہلال اعظمی اور محمد ہمایوں دیکھے جاسکتے ہیں۔

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر زیر انتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد میں ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی کی نئی کتاب ''حرف نجم'' کا مولانا نورالعین قاسمی استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد رسم اجراء کرتے ہوئے۔تصویر میں مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، حافظ محمد شاکر قاسمی، مولانا اشرف علی اشاعتی، مولانا محمد بُشَیر معروفی، ڈاکٹر محمد حمران معروفی، محمد سلمان انجینئر، الحاج رئیس اقبال انجینئر، الحاج محمد ریاض اللہ خان، الحاج قمرالدین، محمد مجاہد ہلال اعظمی اور محمد ہمایوں۔

مسجد الٰہی وادئ عمر شاہین نگر زیر انتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد میں الحمدللہ پہلی نماز ۸/اکتوبر۲۰۲۳ء بروز اتوار نماز ظہر ادا کی گئی، اس مسرت وشادمانی کے موقع پر کثیر تعداد میں لوگ شریک رہے۔ٹرسٹ کی جانب سے الحاج رئیس اقبال انجینئر، الحاج محمد ریاض اللہ خان، محمد سلمان انجینئر، محمد ہمایوں، محمد سیف، حافظ محمد شاکر قاسمی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی اور رام لومستری کی تہنیت کی گئی۔ٹرسٹ کے چیئرمین مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نے ٹرسٹ کے اغراض ومقاصد بیان فرمائے اور تمام معاونین ومحبین اور حاضرین مجلس کا شکریہ ادا کیا۔بالخصوص اراضی واقفہ ''مسجد الٰہی'' مخیرّہ خاتون کے حق میں دعا کی گئی۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

Regd. No. 180/2016

مدرسہ ومسجد کے تعاون کی اپیل

حدیث نبوی ﷺ ہے خَیْرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَـلَّـمَـہ ۔تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** ۱۵رجنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔

الحمدللہ مدرسہ میں تعمیری کام بھی جاری ہے،اس وجہ سے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ مدرسہ کا نقد یا اشیاء کے ذریعہ تعاون فرما کر یا کسی طالب علم کی کفالت لیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

مسجد الٰہی

زیر انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیرّہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کیا ہے،اللہ تعالیٰ مخیرّہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجد الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے،اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کے تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔

جزاک اللہ خیرًا أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ڈائریکٹر مین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

Oct. 2023 اکتوبر

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

NEW GAZALA SAREES
All kinds of Wedding Sarees, Suits & Sharara
+91 9848668219, 8686978846
#23-2-241, Volta Hotel Lane, New Moghalpura, Hyderabad, T.S.
Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com
Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com